بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید خالص

ہدیہ 2 روپے

مصنف:

پیر فقیر زین الدّین چشتی نظامیؒ

ناشران:
صاحبزادگان الحاج معین الدّینؒ، علاؤالدّین
چشتی نظامی ترگ،

ملنے کا پتہ: ناظم اعلیٰ مدرسہ زینت الاسلام ترگ شریف

نثار آرٹ پریس کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

توحیدِ خالص

تصنیف

پیر فقیر خواجہ غلام زین الدّین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

باھتمام

سجّادہ نشین آستانہ عالیہ ٹبّہ شریف ترگ

ضلع میانوالی



جامعہ عالیہ دینیہ حضرت مولانا محمد علی مکھڈی رحمۃ اللہ علیہ

بفیضانِ نظر

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ

فتح الدین چشتی نظامی

دینی و عصری علوم کا حسین امتزاج

تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان سے الحاق شدہ

ناظرۃ القرآن

حفظ القرآن

تجوید القرآن

درسِ نظامی

تمام شعبہ جات میں

داخلہ جاری ہے

عصری علوم

جماعت اول تا بی۔ ایس

(سوشل سائنسز)

جامعہ عالیہ دینیہ حضرت مولانا محمد علی مکھڈی رحمۃ اللہ علیہ

مکھڈ شریف (اٹک)

0343-5894737, 0342-5276304

نام کتاب ________ توحیدِ خالص

مصنف ________ پیر فقیر زین الدین چشتی نظامی

سرورق اور کتابت ________ پاک کتابت گھر کراچی

تعداد ________ ایک ہزار ۱۰۰۰

مطبوعہ ________ پریس کراچی

ناشران ________ صاحبزادگان الحاج معین الدین
چشتی نظامی ترگ علاؤالدین

ملنے کا پتہ ________ ناظم اعلیٰ مدرسہ زینت الاسلام
ترگ شریف

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الهادي عباده الى الطريق الاقوم
المتفضل عليهم بنعمة الاسلام وفائق الحكم
الناهي لهم عن التنازع في كتابه المحكم والصلاة
والسلام على أشرف مبعوث الى جميع الامم سيدنا
محمد القائل ان أمتي لا تجتمع على ضلالة فاذا رأيتم
الاختلاف فعليكم بالسواد الاعظم وعلى آله وأصحابه

نجوم الاهتداء لكل فصيح وأعجم

وجہ تصنیف کتاب اس پرفتن دور میں اسلام پر طرح طرح کے
حملے ہو رہے ہیں۔ خصوصاً مذہب اہل سنت والجماعت پر اور مختلف فرقے
پیدا ہو گئے ہیں اسلام تو ایک دین واحد ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ
كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ، لوگ ایک دین پر تھے لیکن بے دینوں نے
اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ إِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا
دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ، ترجمہ وہ جنہوں نے اپنے دین میں
راہیں نکالیں جدا جدا اور کئی گروہ ہو گئے، اے محبوب تمہیں ان سے کچھ
علاقہ نہیں :- ان باطل گروہوں میں سے ایک گروہ ہے جو کہ اپنے آپ کو
موحد کہلاتا ہے، اور توحید کے خود ساختہ معانی کر کے صرف اپنے ہم عقیدہ
لوگوں کو مسلمان، اور اپنے عقیدہ کے برخلاف لوگوں کو کافر کہتا ہے ملاحظہ
ہو شامی جلد ثالث ص ۴۲۷ باب البغاۃ كَمَا وَقَعَ فِيْ زَمَانِنَا فِيْ أَتْبَاعِ
عَبْدِ الْوَهَّابِ الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ نَجْدٍ وَتَغَلَّبُوْا عَلَى الْحَرَمَيْنِ وَكَانُوْا يَنْتَحِلُوْنَ
مَذْهَبَ الْحَنَابِلَةِ لٰكِنَّهُمْ اعْتَقَدُوْا أَنَّهُمْ هُمُ الْمُسْلِمُوْنَ وَأَنَّ مَنْ خَالَفَ
اعْتِقَادَهُمْ مُشْرِكُوْنَ وَاسْتَبَاحُوْا بِذٰلِكَ قَتْلَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَقَتْلَ
عُلَمَائِهِمْ حَتّٰى كَسَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى شَوْكَتَهُمْ وَخَرَبَ بِلَادَهُمْ
وَظَفَرَ بِهِمْ عَسَاكِرُ الْمُسْلِمِيْنَ عَامَ ثَلَاثٍ وَّثَلَاثِيْنَ وَمِائَتَيْنِ
وَأَلْفٍ ،

ترجمہ: جیسے کہ ہمارے زمانہ میں (مسلمان کو کافر کہنے کا مسئلہ) واقع
ہوا ہے عبدالوہاب نجدی کے متبعین سے جو نجد سے نکلے اور حرمین شریفین
پر غالب ہوئے اور نسبت مذہب حنابلہ کیطرف کرتے تھے لیکن انہوں نے
اعتقاد کیا کہ صرف وہی مسلمان ہیں اور جو لوگ انکے اعتقاد کے مخالف
ہیں وہ مشرک ہیں مذہب اہل سنت والوں کے قتل کرنے کو مباح سمجھا
اور علماء کو قتل کیا یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے انکی شوکت کو توڑا اور
ان کے شہروں کو برباد کیا مسلمانوں کے لشکروں کو ان پر فتح عطا فرمائی
سنہ ۱۲۳۳ھ ہجری میں سو یہ عاجز اب آپ کے سامنے توحید خالص بیان کرتا ہے
ارشاد ایزدی ہے فَاعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ترجمہ تو اللہ
کو پوجو نرے اسکے بندے ہو کر تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام
حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
تک تین اصولوں کی تبلیغ کرتے آئے ہیں (۱) توحید خالص (۲) رسالت
(۳) قیامت تا آنکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تکمیل دین ہو گئی
اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ، ترجمہ آج میں نے
تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا سب انبیاء کرام اصول دین میں
ایک دین پر ہیں صرف فروعات اور شریعتوں میں اختلاف ہے جاننا
چاہیے کہ انسان جو کہ اشرف المخلوقات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مسجود
ملائکۃ بنایا اور تاج خلافت اس کے سر پر رکھا اور اللہ تعالےٰ کی

پیش کردہ امانت کو صرف حضرت انسان نے قبول کیا ارشاد باری ہے

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ

اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ

ترجمہ :- ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر

تو انہوں نے اسکے اُٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور حضرت

انسان نے اسے اُٹھالیا تو اب اس مسئلہ توحید خالص بیان کرنے کے لئے

مندرجہ ذیل امور ضروری بیان کرتے ہیں اس مخلوق کی چار علتیں معین ہیں

(۱) علت فاعلی (۲) علت مادی (۳) علت صوری (۴) علت غائی

ان چار علتوں کے بیان کرنے کے بعد توحید خالص یعنے (۱) توحید فی الذات

(۲) توحید فی الصفات (۳) توحید فی العبادۃ یہ سب انشاء اللہ بیان کی جائینگی

علت فاعلی جیساکہ ارشاد باری تعالےٰ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ترجمہ :- اے لوگو

اپنے رب کو پوجو جس نے تمہیں پیدا کیا — دوسری علت مادی

یعنی جس مادہ سے انسان کو بنایا فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ یعنی

تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو جو اصل نسل ہیں مٹی سے پیدا فرمایا

جو انسان کا اول مادہ بعیدہ ہیں غور سے سنو حضرت آدم علیہ السلام کو

مبارک بتلاناگی اس ترتیب سے اللہ تعالی نے بنایا اناخلقناھم من

طین لازب ، ترجمہ :- بے شک ہم نے ان کو چپکتی مٹی سے بنایا

اس طرح سے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اس مٹی سے بنایا اور بہہ سات

انسانوں کو آدم علیہ السلام سے دیکھو روح البیان میں ہے کہ انسان کی اصل چکنی مٹی ہے جسمیں چمٹنا لپٹنا پایا جاتا ہے، لہٰذا انسان کی فطرت میں لپٹ ہے، خواہ دنیا سے لپٹے، یا دین سے، خواہ شیطان سے یا حبیب رحمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم اور دامن سے مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ، ترجمہ:- بجتی مٹی سے جو بدبودار سیاہ گارے سے ہے تشریح پہلے چکنی مٹی سے پیدا فرمایا پھر سیاہ بدبودار گارے سے پھر چند مدت کے بعد وہ بجتی ہوئی مٹی بن گئی بس اب یہ مُبارک ڈھانچہ مکمل ہو گیا مکمل ہونے کے بعد یہ مُبارک ڈھانچہ چالیس سال دروازے جنّت پر رہا پھر جب اللہ تعالیٰ نے چاہا اس میں رُوح پھُونک کر مسجود ملائکۃ اور خلیفۃ اللہ فی الارض بنا دیا اس رُوح پھُونکنے کیوجہ سے وہ مسجود ملائکۃ بنے یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آدم علیہ السلام کے پتلا بنانے سے پہلے جو مٹی آپ کے وجودِ مُبارک کیلئے لی گئی وہ زمین کے ہر حصّے سے لی گئی چونکہ زمین کے قطعات کی مختلف رنگتیں تھیں اس لئے بنو آدم بھی مختلف رنگتوں پر پیدا ہوئے عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَۃٍ قَبَضَھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَرْضِ فَجَاءَ بَنُوْ آدَمَ عَلیٰ قَدْرِ الْاَرْضِ مِنْھُمُ الْاَحْمَرُ وَالْاَبْیَضُ وَالْاَسْوَدُ وَبَیْنَ ذٰلِکَ وَالسَّھْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ اَخْرَجَہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَاَحْمَدُ ، تفسیر خازن ص۱۰۱ ترجمہ حضرت ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں سنا میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہ فرماتے تھے تحقیق اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا آدم کو ایک مٹھی سے کہ لیا تھا اس کو سب طرح کی زمین میں سے پس پیدا ہوئی اولاد آدم کی موافق زمین کے بعضے ان میں سے سُرخ اور بعضے سفید اور بعضے سیاہ اور بعضے درمیان میں اس کے اور بعضے نرم خو اور بعضے سخت خو اور بعضے ناپاک اور بعضے پاک :۔ ترمذیؒ، ابوداودؒ، احمدؒ ترتیباً اس مٹھی مٹی کو دو حصے کیا آدھا بہشت میں اور آدھا دوزخ میں پھر جتنی مدّت چاہا اسے بہشت اور دوزخ میں رکھا پھر اس مٹی کو نکالا اس کے بعد اسے گوندھا پھر وہ پھر وہ طین[1] لازب ایک مدّت تک رہی پھر اس کے بعد حمأ مسنون[2] ایک مدّت تک رہی پھر صلصال[3] ایک مدّت تک رہی پھر کیا اس ساری مٹی کو ایک جسم اس کے بعد اس ڈھانچہ کو دروازے بہشت پر ڈالا تفسیر خازن ص۱۰۱ :۔ اور تفسیر روح البیان ص۹۹

فَقَبَضَ قَبْضَۃً مِنْ وَجْہِ الْاَرْضِ مِقْدَارَ اَرْبَعِیْنَ ذِرَاعًا مِنْ زَوَایَاھَا الْاَرْبَعِ فَلِذٰلِکَ یَاْتِیْ بَنُوْہُ اَخْیَافًا اَیْ مُخْتَلِفِیْنَ عَلٰی حَسَبِ اَلْوَانِ الْاَرْضِ وَاَصْنَافِھَا فَمِنْھُمُ الْاَبْیَضُ وَالْاَسْوَدُ وَالْاَحْمَرُ وَاللَّیِّنُ وَالْغَلِیْظُ فَصَارَ کُلُّ ذَرَّۃٍ مِنْ تِلْکَ الْقُبْضَۃِ اَصْلُ بَدَنٍ لِلْاِنْسَانِ فَاِذَا مَاتَ یُدْفَنُ فِی الْمَوْضَعِ الَّذِیْ اُخِذَتْ مِنْہُ :

ترجمہ : پس روئے زمین سے اللہ تعالیٰ نے مٹھی لی چالیس گز

کی مقدار اس زمین کے چاروں کناروں سے اسی لئے حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے زمین کی مختلف رنگتوں اور اصناف کے مطابق مختلف ہوتے ہیں پس بعضے ان میں سے سفید، کالے سیاہ، سرخ، نرم خو، سخت خو، پس ہر ذرہ اس مٹھی سے انسان کے بدن کی اصل بنا پس جب انسان مرجاتا ہے تو اسی جگہ میں دفن کیا جاتا ہے جہاں سے اس کے ذرہ کو لیا گیا تھا۔ جتنی مدت حضرت آدم علیہ السلام کے پتلا مبارک بنانے میں خرچ ہوئے وہ چالیس صبح یعنی چالیس دن تھی ہر دن ہزار سال کا تھا دنیا کے سالوں کے حساب سے پھر نفخ روح ہوا فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ ترجمہ: تو جب میں نے اسے مکمل کیا اور اس میں اپنا معزز روح پھونکا تو اس کے لئے سجدہ میں ملائکہ گر پڑے نکتہ معلوم ہوا کہ سجدہ صرف جسم آدم کو نہ تھا بلکہ روح کو تھا چونکہ جسم اس کا تجلی گاہ تھا لہٰذا اسے بھی سجدہ ہوا ورنہ نفخ روح کی قید نہ ہوتی یعنے حضرت آدم علیہ السلام کے روح مبارک کی اور اللہ تعالیٰ نے اضافت اپنی طرف شرافت اور کرامت کیوجہ سے فرمائی جیسے بیت اللہ کِتَابُ الْاٰدَابِ بَابُ السَّلَامِ مشکوٰۃ شریف ص۳۹۷ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ طُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فَلَمَّا خَلَقَهٗ قَالَ اِذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلٰی اُولٰٓئِكَ النَّفَرِ وَهُمْ نَفَرٌ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ جُلُوْسٌ فَاسْتَمِعْ مَا یُحَیُّوْنَكَ فَاِنَّهَا تَحِیَّتُكَ وَتَحِیَّةُ ذُرِّیَّتِكَ فَذَهَبَ فَقَالَ السَّلَامُ

عَلَيْكُمْ فَقَالُوْا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ قَالَ فَزَادُوْهُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ قَالَ فَكُلُّ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلٰى صُوْرَةِ آدَمَ وَطُوْلُهُ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فَلَمْ يَزَلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ بَعْدَهُ حَتَّى الْآنَ متفق علیہ :-

ترجمہ: روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرۃؓ سے کہ کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی صورت پر بنایا پیدا کرنے کے بعد۔ طوالت قد مبارک ساٹھ گز تھی۔ اُن کو فرمایا جا اور سلام کر اس جماعت پر اور وہ جماعت بیٹھے ہوئے فرشتوں کی تھی پس سن فرشتے کیا تمکو جواب دیتے ہیں پس وہی جواب ہوگا تیرا اور جواب اولاد تیری کا پس گئے حضرت آدم علیہ السلام اور فرمایا السلام علیکم پس کہا فرشتوں نے سلام ہے تجھ پر اور رحمت اللہ تعالیٰ کی فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پس زیادہ کیا فرشتوں نے لفظ ورحمۃ اللہ کا فرمایا کہ پس جو شخص کہ داخل ہوگا بہشت میں اوپر صورت آدمؑ کے ہوگا اور لمبائی اس کی ساٹھ گز ہوگی، پس ہمیشہ پیدائش کم طوالت ہوتی رہی پیچھے آدمؑ کے اب تک اور علٰی صُوْرَتِہٖ کا مطلب یہ ہے کہ متصف ساتھ صفات الٰہیہ کے آدمؑ کو پیدا فرمایا جیسے حیات علم، ارادہ، قدرت، سمع، بصر، کلام اور اسی پر مدار ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ: پس انسان منظہر جمال، جمال، اور کمال خداوندی کا ہے ——

عہد الست کی تحقیق :- وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْ آدَمَ الخ

تفسیر حقانی ج چہارم، صفحہ ۱۶۸ الخ پارہ ۹، سورۃ اعراف

چونکہ بنی اسرائیل سے عہد لینے کا ذکر آیا تھا اس لئے مناسب ہوا کہ بلاخصوصیت بنی اسرائیل اپنے اس عہد کو بھی یاد دلائے جو اس نے تمام بنی آدم سے لیا ہے تاکہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ عہد الٰہی کی پابندی صرف بنی اسرائیل پر ہے اس عہد کی تفسیر میں علماء کے دو قول ہیں

دو قول اوّل جمہور مفسرین اہل سنّت کا کہ یہ عہد حضرت آدم علیہ السلام کی تمام ذرّیت سے جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی اس طور سے لیا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ نے آدمؑ کی پشت سے تمام اولاد کو نکالا جو چیونٹیوں کی طرح سے نکل پڑے پھر ان کو عقل اور گویائی عطا کر کے کہا الست بربکم کہ کیا میں تمہارا خدا نہیں سب نے کہا بلیٰ کیوں نہیں پھر فرمایا کہ میں تم پر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین اور تمہارے باپ آدمؑ کو گواہ کرتا ہوں تاکہ تم قیامت کو یہ نہ کہو کہ ہمکو خبر نہ تھی تمکو معلوم رہے کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں تم میرا کسی کو بھی شریک نہ بنانا میں تمہارے پاس اس عہد کو یاد دلانے کیلئے اپنے رسول بھیجوں گا اور کتابیں نازل کروں گا وہ تمکو میرا عہد یاد دلائینگے سب نے اقرار کیا اور کہا ہم گواہ ہیں کہ تو ہی ہمارا رب اور معبود ہے تیرے سوا اور نہ کوئی معبود ہے۔ نہ رب ہے سب نے اقرار کر لیا۔ (رواہ احمد)

اس مضمون کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چند صحابہ نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے، چنانچہ ابن عباسؓ اور ابیؓ بن کعب سے امام

احمدؒ نے اس مضمون کو روایت کیا ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے جسکو امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں بیان کیا اور مسلم رضؓ بن یسار کہتے ہیں کہ عمر رضؓ بن الخطاب رضؓ سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے انہوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے پوچھا آپ نے اس میں یوں فرمایا پھر یہی مضمون آخر تک نقل کیا کسی قدر کمی زیادتی کے ساتھ اس کو مالکؒ اور ترمذیؒ اور ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے اسی طرح سے اور بھی محدثین نے مختلف عنوان سے اس آیت کی تفسیر میں روایات بیان کی ہیں اور بڑے بڑے مفسرین اس پر متفق ہیں جیسا کہ سعیدؒ بن المسیبؒ اور سعیدؒ بن جبیرؒ اور ضحاکؒ اور عکرمہؒ اور کلبیؒ

دوسرا قول: جمہور معتزلہ کا ہے وہ کہتے ہیں کہ آیت کے صاف معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ نے بنی آدم کے ظہور یعنی پشتوں سے ان کی ذریۃ اس طرح سے نکالی کہ وہ بحالت نطفہ پشت آبار میں تھے پھر اپنی ماؤں کے رحم میں آئے پھر ان کو علقہ پھر مضغہ پھر کامل الخلقت بنا کر باہر نکالا پھر عقل وحواس عطا کیا جس سے وہ اس کے مصنوعات میں غور وفکر کر کے اس کی وحدانیت پر دلائل قائم کرنے کے قابل ہوئے سو یہ دلائل گویا خدا کیطرف سے عہد اور خود ان کو اس بات پر گواہ بنانا ہے اور انکی حالت احتیاج وحدوث گویا اس عہد کو تسلیم اور قبول کرنا ہے، خدا تعالیٰ کا ان دلائل کو پیدا کرنا گویا اقرار لینا اور ان کا اس حالت میں ہونا زبان حال سے اقرار کر لینا اور گواہ بننا ہے

اس عہد کی رُو سے ہر عاقل توحید پر قائم رہنے کے لئے مامور ہے تاکہ کسی کو اس کے بعد یہ عذر باقی نہ رہے کہ ہمارے باپ دادا شرک کرتے تھے وہی بری رسمیں جاری کر گئے تھے ہم ان کے بعد پیدا ہوئے انہیں کی پابندی کرتے رہے اگر گناہ کیا تو انہوں نے قصور وار ہیں تو وہ "کس لئے کہ ہر ایک شخص پر اس عہد کی پابندی ضرور ہے۔ کیونکہ جب تم کو عقل و ادراک ہے تو کیوں ایسی بری باتوں میں جو تمہارے عہد خداوندی کے برخلاف ہیں، ان جاہلوں کی پابندی کرتے ہو دنیا میں خدا تعالیٰ کے رسول اسی عہد کو یاد دلانے کے لئے آتے ہیں۔

دلائل (۱) معتزلہ کے یہ ہیں اوّل یہ کہ من ظہورھم بدل ہے بنی آدم سے پس اس صورت میں آیت کے یہ معنی ہوئے کہ بنی آدم کی پشتوں سے ان کی ذریت کو نکال کر ان سے عہد لیا نہ کہ آدمؑ کی پشت سے بلکہ آدم کا تو اس میں کچھ ذکر بھی نہیں ہے اس کے علاوہ اگر آدم کی پشت سے ذریت کا نکالنا مراد ہوتا تو من ظہورھم نہ فرماتا بلکہ من ظہرہ کیونکہ آدمؑ ایک شخص تھا جس کے لئے ضمیر مفرد چاہیئے نہ کہ جمع اور انما اشرک آباؤنا کہنا بھی ذریت آدمؑ کی نسبت صادق آسکتا ہے نہ کہ آدمؑ کی نسبت کیونکہ آدمؑ کا باپ دادا کون مشرک تھا۔

(۲) دوم عہد کسی اہل عقل و ادراک سے لیا جاتا ہے نہ کہ غیر اہل فہم و ادراک سے پس اس وقت اولاد آدمؑ کو ضرور عقل و ادراک ہونا چاہیئے اگر ایسا ہوتا تو اس وقت بھی ہمکو یاد ہونا چاہیئے تھا۔ حالانکہ کسی کو بھی یاد نہیں علاوہ اس کے بنی آدم کروڑوں بلکہ ان گنت ہیں پھر اس قدر

لوگ آدمؑ کی پشت سے چیونٹی کیا ذرہ سے بھی کم فرض کئے جاویں تو بھی نکل نہیں سکتے کیونکہ ان کے اجسام کا مجموعہ ایک پہاڑ ہونا چاہیئے تھا۔ جو دنیا کے تمام پہاڑوں سے بڑا ہو اور جواب عالم وجود میں لوگ پیدا ہوئے ہیں۔ ان کو ان ذرات کا عین کہا جاوے تو بھی ممکن نہیں کیونکہ عین تو کیا یہ ذرات ان انسانوں (جو اجسام مخلوق از مادہ منویہ ہیں) جزو بھی نہیں رہیں احادیث سو وہ اخبار آحاد ہیں جو نص قرآنی اور بداہتہ عقل کے مقابلہ میں قابل التفاف نہیں

جواب اہل سنت: اہل سنت ان دلائل کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اما اول فجوابہ مراد خدا تعالیٰ کی یہ ہے کہ سلسلہ وار ہر ایک نبی آدم کی پشت سے انکی ذریت نکالی جو قیامت تک پیدا ہونے والی ہے مثلاً زید کو عمرو کی پشت سے اور عمرو کو اس کے باپ خالد کی پشت سے علی ھذا القیاس یہ سلسلہ اوپر کیطرف حضرت آدم علیہ السلام پر سلسلہ منتہی ہوگا چونکہ سب کا مبتدا آدمؑ ہیں تو گو صراحتاً آدمؑ کی پشت سے نکلنا نہ کہا مگر جب کہ اسطرح سے ایک کا دوسرے سے نکلنا کہا تو گویا سب کا آدمؑ کی پشت سے نکلنا کہا اس غرض کیلئے من ظہر آدم نہ کہا بلکہ من ظہورھم فرمایا اور اسی لئے انما اشرک آباؤنا بھی بلحاظ مشترک نسلوں کے ان سلاسل میں سے صحیح ہوا۔

اما الثانی فجوابہ واضح ہو کہ انسان در حقیقت نفس ناطقہ یا روح ہے اور گو حادث ہے مگر اجسام کے پیدا ہونے سے بہت پہلے سے ہے اور اسکا ادراک اس عالم حسی میں بذریعہ آلات جسمانیہ کے ہے اور دوسرے عالم میں ان کی کچھ احتیاج نہیں جب یہ مقدمہ ممہد ہو چکا تو اس

اخذ من ظہورھم کی یہ تفسیر ہے کہ گو ارواح جو جواہر باقیہ اور نفوس صافیہ ہیں آدمؑ کے حدوث میں ہم قدم ہیں مگر دنیا میں ظہور ترتیبی ہونے کیوجہ سے سب کا آدم علیہ السلام پیش خیمہ ہیں سو خدا تعالیٰ نے جب آدمؑ کو دنیا میں بھیجا تو ان کے ذریعے سے تمام نفوس و ارواح کو جو دنیا میں ظاہر ہونیوالے تھے اور ان کا ظہور جسم آدم ہی کے وسیلہ سے تھا آدمؑ کی پشت سے ترتیب وار نکالا رہا ان کا چیونٹیوں کی مانند ہونا سو یہ تشبیہ ہے بلحاظ حالت اجمالیہ کے جو ان ارواح کو اسوقت عارض تھی اور اسی لئے یہ بھی آیا ہے کہ ان میں کچھ نورانی تھے اور کچھ ظلمانی تھے یعنی اہل سعادت کی روحیں منور تھیں اور اہل شقاوت پر ازلی تاریکی تھی سو وہ دراصل اجسام عنصریہ نہ تھے کہ جن کا مجموعہ بڑے پہاڑ سے زیادہ فرض کرکے آدمؑ کی پشت سے نکالنا محال خیال کیا جاوے رہی یہ بات کہ پھر ہم کو وہ عہد یاد کیوں نہیں اور جب یاد نہیں تو ایسے وقت کے عہد سے فائدہ ہی کیا ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس جسم سے جب نفوس متعلق کئے جاتے ہیں تو اس کے آثار اس پر فائق ہوتے ہیں اور اس عالم میں جو روح جو عالم قدس کا ناز پروردہ طائر ہے جب جسم عنصری کے پنجرے میں بند ہوتا ہے تو وہاں کے حالات بالکل بھول جاتا ہے اسی کی تدبیر و تصرف میں مصروف رہتا ہے اور اسی لئے خاص دُنیا کے سینکڑوں معاملات ہم بالکل بھول جاتے ہیں سو اس عہد کے تمسک کا یہ فائدہ ہے کہ جب انسان اس عالم میں جاوے گا اور حجاب جسمانی اٹھ جاوے گا۔ تو اس کو اپنی اگلی پچھلی سب

باتیں یاد آجاویں گی۔ سو یہ تمسک اس عدالت میں پیش کیا جاوے گا۔ اور
یہ عذر مسموع نہ ہوگا۔ کہ دنیا میں ہم کو اس سے آگاہی نہ تھی کیونکہ انبیاء اور
ان کے نائبین کہ جن میں سے ایک عقل سلیم بھی ہے اس کو یاد دلا چکے ہیں۔
اور جو مُراد معتزلہ عہد سے لیتے ہیں۔ وہ بھی ہمارے قول کے منافی
نہیں علاوہ اس کے اخذ صیغہ ماضی تو ہمارے ہی قول کی تائید کرتا ہے۔
ہذا التحقیق المقام والعلم عند اللہ "علام" شان نور محمدی صلی اللہ علیہ
وسلم جواہر البحار صہ ۱۵۲ اِنَّ الْمَلٰئِکَۃَ اُمِرُوْا بِالسُّجُوْدِ لِاٰدَمَ
لِاَجْلِ اَنَّ نُوْرَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ جَبْہَتِہٖ
ترجمہ تحقیق فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سجدہ کرنے کا حکم کیا گیا
اس لئے کہ ان کی پیشانی مبارک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور
مبارک تھا۔ زرقانی علی المواہب صہ ۴۹ جلد اول
حدیث شریف وَفِی الْخَبَرِ لَمَّا خَلَقَ اللہُ تَعَالٰی اٰدَمَ جَعَلَ
(اَوْدَعَ) ذٰلِکَ النُّوْرَ (نُوْرَ الْمُصْطَفٰی) فِیْ ظَہْرِہٖ فَکَانَ
لِشِدَّتِہٖ) یَلْمَعُ فِیْ جَبِیْنِہٖ فَیَغْلِبُ عَلٰی سَائِرِ) بَاقِی
اَلْاَنْوَارِ ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا
کیا تو نور مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی پشت میں رکھ دیا وہ
نور پاک ایسا شدید چمک والا تھا کہ باوجود پشت آدم علیہ السلام میں
ہونے کے پیشانی حضرت آدم علیہ السلام سے چمکتا تھا اور آدم علیہ السلام
کے باقی انوار پر غالب ہو جاتا تھا۔

یعنی آدم علیہ السلام کی پشت میں اجزائے جسمانیہ کے جوہر لطیف کے انوار رکھے گئے تھے یہ اجزاء مبارک روح کے اجزاء نہیں نہ روح کا کل ہیں کیونکہ ایک بدن میں ایک ہی روح سما سکتی ہے ایک سے زیادہ ایک بدن میں روح کا پایا جانا بداہتہ باطل ہے۔ لہٰذا آدم علیہ السلام کی پشت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک نہیں رکھی گئی تھی بلکہ جسم اقدس کے جوہر لطیف کے انوار رکھے گئے جو اصلاب طاہرہ اور ارحام طیبہ میں منتقل ہوتے رہے تقدم اقرار ربوبیت اس عہد و پیمان میں سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مقدس نے رب تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا خصائص کبریٰ جلد نمبر ا اَنہ صلّی اللہ علیہ وَسَلَّمَ اَوَّلَ مَنْ قَالَ بَلٰی یَوْمَ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ جواہر البحار ص۵۲۹ جلد نمبر ا کَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَنْ قَالَ بَلٰی وَلِھٰذَا صَارَ مُتَقَدِّمًا عَلَی الْاَنْبِیَاءِ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے بلیٰ فرمایا اور اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء کرام پر فضیلت ملی اوّل ساجد حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے: روح البیان جلد اوّل ص۱۰۴ وَاَوَّلُ مَنْ سَجَدَ جِبْرَئِیْلُ فَاکْرِمْ بِاِنْزَالِ الْوَحِیْ وَخُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ثُمَّ مِیْکَائِیْلُ ثُمَّ اِسْرَافِیْلُ ثُمَّ عِزْرَائِیْلُ ثُمَّ سَائِرُ الْمَلَائِکَۃِ، ترجمہ اور سب سے

پہلے ا سجدولے کے حکم کی تعمیل کرنے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے
پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام کو نزول وحی کے منصب سے نوازا گیا
خصوصاً سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر پھر سجدہ حضرت میکائیکل
پھر حضرت اسرافیل ۲ پھر حضرت عزرائیل ۳ پھر تمام ملائکہ نے سجدہ کیا نہ سمجھو
خاک کا پتلا جمال کبریا ہوں میں نبوّت حضرت آدم علیہ پر دلائل: (۱)
صاوی شریف جلد نمبر ۱ صـ۱۴۹

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی آدَمَ وَنُوْحًا وَاٰلَ اِبْرَاھِیْمَ
وَالْمَعْنٰی اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی ھٰؤُلَاۗءِ بِالْاِسْلَامِ وَالنُّبُوَّۃِ
وَالرِّسَالَۃِ ترجمہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ
السلام حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل کو اسلام
نبوّت، اور رسالت سے برگزیدہ فرمایا۔

دلیل (۲) باب بدءِ الخلق مشکوٰۃ شریف اِنَّ اللّٰہَ
اصْطَفٰی آدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرَاھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرَانَ عَلَی
الْعٰلَمِیْنَ ۝ قال المفسر وآدم ونوح من الانبیاء
علیہم السلام تفسیر احمدی صـ۲۰۴

دلیل (۳) وقال القاضی ناصر الدین البیضاوی
اِنَّ اللّٰہَ اصطفٰی آدم بالرسالۃ والخصائص الروحانیۃ
والجسمانیۃ الخ انوار التنزیل صـ۱۰۵

دلیل (۴) وقال الشیخ عبدالعزیز فی بیان

مکاسب الانبیاء کان آدم علیہ السلام حراثاً رفتح

العزیز طبع الٰہی بخش ص۱۱۹

اس حدیث پاک پر جو ابن تیمیہ نے تنقید کی ہے اس کے

متعلق صاحب شفاء السقام نے ص۱۶۳ پر فرمایا وَکَیْفَ یَحِلُّ

لِمُسْلِمٍ اَنْ یَّتَجَاسَرَ عَلٰی مَنْعِ ھٰذَا الْاَمْرِ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ

لَا یَرُدُّہٗ عَقْلٌ وَّلَا شَرْعٌ وَقَدْ ذُکِرَ فِیْہِ ھٰذَا الْحَدِیْث

ترجمہ: کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ اس نبوت کے امر عظیم

پر جرأت کرے کہ وہ پیغمبر نہ تھے جسکو شرع اور عقل نہیں رد کرتی چہ

جائیکہ حدیث پاک بھی ہے۔

دلیل (۵) قَالَ الْعَلَّامَۃُ النَّسَفِیُّ وَاَوَّلُ الْاَنْبِیَاءِ

آدَمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَآخِرُھُمْ مُحَمَّدٌ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

وَاَمَّا نُبُوَّۃُ آدَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَبِالْکِتَابِ الدَّالِّ عَلٰی

اَنَّہٗ اُمِرَ وَنُھِیَ مَعَ الْقَطْعِ بِاَنَّہٗ لَمْ یَکُنْ فِیْ زَمَنِہٖ نَبِیٌّ

آخَرُ فَھُوَ (مَخْصُوْصٌ) بِالْوَحْیِ وَکَذَا السُّنَّۃُ وَالْاِجْمَاعُ

فَاِنْکَارُ نُبُوَّتِہٖ عَلٰی مَا نُقِلَ عَنِ الْبَعْضِ یَکُوْنُ کُفْرًا:

شرح عقائد نسفی ص۹۸

ترجمہ: دلیل نمبر ۵۔ قال العلامہ النسفی پہلے انبیاء کے آدم

علیہ السلام ہیں اور آخر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور نبوت آدم

علیہ السلام قرآن سے ثابت ہے وہ دلالت کرتی ہے۔ اس بات پر کہ امر

اور نہی بھی۔ ساتھ یقین اس بات کے آدم علیہ السلام رکے زمانے میں کوئی نبی دوسرا نہیں تھا۔ پس وہی آدم علیہ السلام ہی مخصوص بالوحی ٹھہرے اور اسی طرح حدیث اور اجماع سے بھی ثابت ہے پس آدم علیہ السلام کی نبوت کا انکار بنا بر نقل عن البعض کفر ہوگا۔ شرح عقائد نسفی ص۹۵

دلیل (۶) وَاعْلَمْ اَنَّ اَوَّلِيَّةَ نُوحٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْحَدِيثِ بِاعْتِبَارِ اَنَّهُ اَوَّلُ ذَوِي الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَمْ يَكُنْ آدَمُ مِنْ اُولِي الْعَزْمِ كَمَا صَرَّحَ بِهِ بَعْضُ الشُّرَّاحِ ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ آدَمُ صَفِيُّ اللّٰهِ ۔

ترجمہ: جان لو۔ نوح علیہ السلام کی اولیت حدیث میں اس اعتبار سے ہے کہ وہ پہلے اولوالعزم رسولوں میں سے ہیں اور آدم علیہ السلام پہلے اوللعزم پیغمبروں میں سے نہ تھے جیسا کہ بعض الشراح نے تصریح کی ہے۔ لا الٰہ الا اللہ آدم صفی اللہ ۔

دلیل (۷) وَاَيْضًا فِي فَتَاوِي خَانِيَةٍ وَحَافِظِيَةٍ وَ دَلَائِلِ الْخَيْرَاتِ ذُكِرَ نُبُوَّةُ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامِ ۔

ترجمہ: اور بھی فتاوی خانیہ اور دلائل خیرات نے آدم علیہ السلام کی نبوت کا ذکر یوں کیا وہ یہ ہے۔

وَاعْلَمْ اَنَّ اَوَّلِيَّةَ نُوحٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا هُوَ الْمَذْكُورُ فِي الْحَدِيثِ وَلٰكِنْ اِئْتُوا نُوحًا اَوَّلُ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ مَا قَوْلُ

بِأَنَّ نُوحَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوَّلُ مَنْ أُرْسِلَ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ سَوَاءً كَانُوا أَوْلَادَهُ أَوْ إِخْوَانَهُ وَأَعْمَامَهُ أَوْ أَبَاعِدَ مِنْهُ وَأَمَّا آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَكَانَ بِعْثَتُهُ لِأَوْلَادِهِ خَاصَّةً وَهٰذَا الْمَعْنَى يُفْهَمُ مِنْ لَفْظِ الْحَدِيْثِ،

ترجمہ، جان لو اولیت نوح علیہ السلام جو کہ مذکور ہے۔ حدیث میں (ان الفاظ سے) لیکن آدم نوح علیہ السلام کے پاس جو پہلا نبی ہے جسے اللہ نے بھیجا ہے جو کہ تاویل شدہ ہے۔ اس بات سے کہ نوح علیہ السلام ہی وہ نبی ہیں جو کہ بھیجے گئے زمین کی طرف جن کی طرف بھیجے گئے ان کی تخصیص اولاد سے نہ تھی عام تھی اولاد ہوں یا بھائی یا چچے یا دور کے رشتہ دار اور آدم علیہ السلام کی بعثت اولاد کے لئے خاص تھی۔ اور یہی معنی حدیث میں سمجھا جاتا ہے۔

دلیل (۸) قَالَ عَلِيُّ الْقَارِيُّ وَرَدَ فِي مُسْنَدِ أَحْمَدَ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ عَدَدِ الْأَنْبِيَاءِ فَقَالَ مِائَةُ أَلْفٍ وَأَرْبَعَةٌ وَعِشْرُوْنَ أَلْفًا وَالرُّسُلُ مِنْهُمْ ثَلٰثُمِائَةٍ وَثَلٰثَةَ عَشَرَ أَوَّلُهُمْ آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَآخِرُهُمْ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ (شرح فقہ اکبر لعلی القاری صـ ۶۹

ترجمہ: امام علی قاری نے کہا روایت کہا گیا ہے مسند امام احمد میں کہ پوچھا گیا عدد انبیاء سے تو جواباً کہا) کہ ایک لاکھ چوبیس

ہزار پیغمبر ہیں اور رُسل اُن میں سے تین سو تیرہ ہیں پہلے اُن کے آدم علیہ السلام ہیں۔ اور آخر اُن کے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ شرح فقہ اکبر علی قاری ص۱۶۹

دلیل (۹) شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا۔ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جسکا اُس نے نوح کو حکم دیا تھا صاوی شریف جلد دوم ص۳۴ وَاِنَّمَا لَمْ یُذْکَرْ مَنْ قَبْلَھُمْ لِاَنَّہٗ لَمْ یَکُنْ قَبْلَ نُوْحٍ اَحْکَامٌ مَشْرُوْعَۃٌ لِاَنَّ آدَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ شَرْعُہُ التَّوْحِیْدُ وَمَصَالِحُ الْمَعَاشِ وَاسْتَمَرَّ ذٰلِکَ الْاَمْرُ اِلٰی نُوْحٍ فَبَعَثَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِتَحْرِیْمِ الْاُمَّھَاتِ وَالْبَنَاتِ وَالْاَخَوَاتِ وَوَظَفَ عَلَیْہِ الْوَاجِبَاتِ وَاَوْضَحَ لَہُ الْاٰدَابَ وَالدِّیَانَاتِ وَلَمْ یَزَلْ ذٰلِکَ الْاَمْرُ یَتَاَکَّدُ بِالرُّسُلِ وَیَتَنَاصَرُ بِالْاَنْبِیَاءِ وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ وَشَرِیْعَۃٌ اِثْرَ شَرِیْعَۃٍ حَتّٰی خَتَمَھَا اللّٰہُ بِخَیْرِ الْمِلَلِ مِلَّتِنَا عَلٰی لِسَانِ اَکْرَمِ الرُّسُلِ نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَتَبَیَّنَ بِھٰذَا اَنَّ شَرْعَنَا مَعْشَرَ الْاُمَّۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃِ قَدْ جَمَعَ الشَّرَائِعَ الْمُتَقَدِّمَۃَ

ترجمہ: من قبلھم کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نہیں کیا کیونکہ نوح علیہ السلام سے پہلے احکام مشروعہ نہ تھے آدم علیہ السلام

کی شریعت میں (جو کہ نوح علیہ السلام سے پہلے تھے اُن کی شریعت توحید مصالح معاش وغیرہ تھے جو کہ نوح علیہ السلام تک جاری رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو بھیج کر امہات ، بنات ۔ اخوات کی تحریم بیان فرمائی اور واجبات مقرر فرمائے ۔ آداب اور بیانات کو واضح کیا اور ہمیشہ یہ احکام پختنے ہوتے آئے رسولوں کے ساتھ ۔ اور انبیاء علیہ السلام یکے بعد دیگرے دین کی نصرت ایک دوسرے کے ساتھ کرتے آئے شریعت کے بعد دوسری شریعت آتی رہی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ختم کیا ان احکاموں کو خیر الملت جو کہ ہماری ملت ہے ۔ (ملت محمدیہ) زبان اکرم رُسل ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر لپس اس سے ظاہر ہُوا کہ ہماری شریعت معشر اُمت محمدیہ نے تمام پہلی شریعتوں کو جمع کر لیا۔

فائدہ مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام نبی اور رسول تھے ، نجدیوں کا اس سے انکار کرنا ضد اور ہٹ دھرمی ہے الفرق بین النبی والرسول جمہور اہل سنت والجماعت کی وعلماء سلف کی تحقیق یہ ہے کہ نبی عام ہے اور رسول خاص ہے کیونکہ اصطلاح شرع میں رسول صرف اس کو کہا جاتا ہے کہ جسکو خداوند عالم کیطرف سے کوئی کتاب دی گئی ہو یا وہ جو مستقل شریعت لیکر آیا ہو نبی کے لئے یہ دونوں شرطیں نہیں قرآن پاک کی آیات اس تحقیق پر شاہد ہیں دیکھو وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ : یہاں نبی کو لغرض تعمیم بعد از تخصیص ذکر فرمایا۔ **حدیث پاک** عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کان الانبیاء مائۃ الف واربعۃ وعشرین الفاً وکان الرسل خمسۃ عشر وثلثہ مائۃ رجل منہم اولھم آدم الی قولہ آخرھم محمد صلی اللہ علیہ وسلم :

ترجمہ، ابی ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاء ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں اور رسول تین سو پندرہ جن میں سے پہلے آدم علیہ السلام اور آخر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اس حدیث کو اسحاق بن راہویہ، ابن[۲] ابی شیبہ، ابوجعلہ[۳]، حافظ[۴] ابن حجر شارح بخاری شریف کتاب التعبیر ص۲۳۱ زرقانی[۵] نے شرح موطا میں، ابن ہمام[۶] نے سامرہ میں قاضی عیاض[۷] نے شفاء شریف میں نقل فرمایا اس حدیث پاک نے بالکل صاف کردیا کہ نبی اور رسول میں فرق ہے جو بعض جگہ نبی کو رسول کی جگہ یا رسول کو نبی کی جگہ ذکر کیا گیا ہے وہ مجاز اہے۔

شرح عقائد نسفی حاشیہ خیالی ص۱۴۷ لٰکِنَّ الْجُمْهُوْرَ عَلٰی اَنَّ النَّبِیَّ اَعَمُّ مِنَ الرَّسُوْلِ وَهٰذَا مَذْهَبُ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَيُؤَيِّدُهٗ قَوْلُهٗ تَعَالٰی وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ وَقَدْ دَلَّ الْحَدِيْثُ عَلٰی اَنَّ عَدَدَ الْاَنْبِيَاءِ زِيْدَ مِنْ عَدَدِ الرُّسُلِ الخ

ترجمہ: لیکن جمہور اس بات پر ہیں کہ لفظ نبی عام ہے لفظ رسول سے اور یہ مذہب اہل سنت والجماعت کا ہے اور اسی کا موید اللہ کا فرمان ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنَاکَ مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اور حدیث دلالت کرتی ہے۔ اس بات پر کہ پیغمبروں کی تعداد رسولوں سے زیادہ ہے۔

فائدہ جلیلہ یہ تو مکمل طور پر دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام مسجود ملائکہ اس نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ بنے جو آپ کی پشت مبارک میں رکھا گیا تھا اب بحث اسمیں ہے کہ یہ سجدہ کس قسم کا تھا تو تفاسیر میں لکھا ہوا ہے کہ یہ سجدہ تعظیمی تھا۔ سجدہ تعظیمی پہلی امتوں میں مباح تھا جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اور والدین نے حضرت یوسف کا سجدہ کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا،
وَخَرُّوْا لَہٗ سُجَّدًا لیکن امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم میں یہ سجدہ بھی منع ہو گیا۔

ترجمہ: اور اپنے والدین کو تخت شاہی پر بٹھایا۔ اور سب کے سب حضرت یوسف علیہ السلام کے آگے سجدے میں گر گئے۔

اشکال اب وارد ہوتا ہے کہ اولیاء کرام جو حالت استغراق میں اپنے پیروں اور مرشدوں کو سجدہ سجدۂ تعظیمی کرتے ہیں وہ سجدہ میں مرتکب گناہ ہیں یا نہیں اور سجدہ ان کے لئے حرام ہے یا نہیں اس کا مفصل جواب مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی کتاب السُّنَّۃ

المجلیۃ فی چشتیۃ العلیۃ میں دیا ہے جوکہ میرے پاس موجود ہے جو شخص مفصلاً دیکھنا چاہے وہاں دیکھ لے تیسری علت صوری یعنی انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کی ساخت اور ڈھانچہ کس نوعیت کا بنا سو اس کا جواب یہ ہے کہ سب مخلوقات سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت خوبصورت بنایا اور اس خوبصورتی پر چھ تاکیدیں بیان فرمائیں ارشاد باری تعالیٰ وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝

ترجمہ: قسم ہے انجیر (کے درخت) کی اور زیتون کے درخت کی اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر (یعنی مکہ معظمہ) کی کہ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔

"تاکہ اعلیٰ ہستی کا سب مخلوقات پر اظہار ہوجائے انبیاء کرام بھی اس لئے تشریف لائے کہ انسان کو اسکا مرتبہ بتائیں لھٰذا اس کے بنانے سے پہلے اس کی عظمت و خلافت کا اعلان فرما کر فرشتوں کو اس کے سجدہ کا حکم دیا پھر اسے انوکھی صورت بخشی فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ فرمایا کیونکہ آدم علیہ السلام کی پشت مبارک میں نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکھا جانا تھا جو کہ باعث تخلیق کائنات اور خلقت آدم علیہ السلام تھا۔ ملاحظہ ہو شفاء السقام ص ۱۶۱

حدیث شریف عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا

اِعْتَرَفَ آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْخَطِيْئَةِ قَالَ يَا رَبِّ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اِلَّا غَفَرْتَ لِیْ فَقَالَ اللّٰهُ يَا آدَمُ وَكَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَلَمْ اَخْلُقْهُ قَالَ يَا رَبِّ لِاَنَّكَ لَمَّا خَلَقْتَنِیْ بِيَدِكَ وَنَفَخْتَ فِیَّ مِنْ رُوحِكَ رَفَعْتُ رَاْسِیْ فَرَاَيْتُ عَلٰی قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوبًا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَعَرَفْتُ اَنَّكَ لَمْ تُضِفْ اِلٰی اِسْمِكَ اِلَّا اَحَبَّ الْخَلْقِ اِلَيْكَ فَقَالَ اللّٰهُ صَدَقْتَ يَا آدَمُ اِنَّهٗ لَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَیَّ اِذْ سَاَلْتَنِیْ بِحَقِّهٖ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا خَلَقْتُكَ رواه الحاكمُ والبیہقیُّ والطبرانیُّ ،

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہا انہوں نے فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ آدم علیہ السلام نے اپنے گناہ کا اقرار کیا کہا اے رب بحق محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں تم سے سوال کرتا ہوں (اور کوئی سوال نہیں کرتا) مگر یہ کہ تو مجھے بخش دے پس فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اے حضرت آدم علیہ السلام کس طرح پہچانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حالانکہ میں نے ابھی تک اُن کو پیدا ابھی نہیں کیا فرمایا اے رب جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور مجھ میں روح پھونکا سر اُٹھاتے ہی میں نے عرش کے پاؤں پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا تو میں نے پہچان لیا کہ تم نے نہیں ملایا اپنے نام کے ساتھ مگر وہی نام جو سب مخلوقات سے تجھے پیارا تھا (محمد صلی اللہ

علیہ وسلم) پس فرمایا اللہ تعالیٰ نے سچ کہا تو نے حضرت آدم علیہ السلام وہ نام مجھے سب مخلوقات سے پیارا ہے جب تو نے مجھ سے اُن کے حق کا واسطہ ڈال کر سوال کیا تو میں نے تجھے بخش دیا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔

بیان پیدائش اولاد آدم اور اسی طرح اولاد آدم علیہ السلام کی پیدائش میں بھی مختلف اطوار رہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ۝

ترجمہ : پھر ہم نے (انسان کو) نطفہ سے بنایا (جو مادہ قریبہ) ہے جو کہ (ایک مدت معینہ تک) ایک محفوظ مقام (یعنی رحم) میں رہا پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا پھر ہم نے لوتھڑے کو گوشت کی) بوٹی بنا دیا پھر ہم نے اس بوٹی (کے بعض اجزاء) کو ہڈیاں بنا دیا پھر ہم نے ان ہڈیوں کو گوشت پہنا دیا پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) اس کو ایک دوسری (ہی طرح) کی مخلوق بنا دیا پس بہت برکت والا ہے اللہ تعالیٰ بہتر پیدا کرنے والوں کا مختلف مراتب و درجات گوشت ، ہڈی ، خون ، جلد ، شعر ، کان ، آنکھ ، لمس ، مثنی ، ذوق شم ، قدرت خداوندی کے اظہار میں کمال ہے وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا

تُبْصِرُوْنَ ○

چلہ کی اصل : یہ تبدیلی پیدائش ہر چالیس دن کے بعد ہوتی ہے اس لئے جو عبادت خلوت میں چالیس دن کیجائے ۔ اسمیں وہ اثرات ہوتے ہیں جو اور کسی تنہائی میں نہیں ہولے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس دن کوہ طور پر اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً بلاکر تورات عطا فرمائی اور قربت خاصہ سے نوازا ایک شبہ کا جواب اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو فرمایا کیا اور خالقین بھی ہیں حالانکہ اور خالقین ماننا کفر و شرک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ہے جواب مفسرین نے یہ دیا ہے (۱) فی زعمکم جو تمہارے گمان میں معبودان باطلہ ہیں (۲) جن کو اللہ تعالیٰ نے معجزہ عطا فرمایا اِنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ خالق مجازاً فرمایا چوتھی علت غائی ہر کاریگر کو کسی چیز کے بنانے سے غرض ہوتی ہے اللہ تعالیٰ جو کہ خالق انسان ہے گو وہ اغراض سے پاک ہے لیکن اسکے ہر ایک فعل میں ایک حکمت ہوتی ہے تو اس نے حکمت خود بیان فرمائی ۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ، یعنی میں نے جن اور انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا

عبادت کا لغوی معنی العبادۃ مصدر ای الطاعۃ ونہایۃ التعظیم للہ تعالیٰ وفی التعریفات العبادۃ ھی فعل المکلف علی خلاف ھوی نفسہ تعظیما للہ تعالیٰ وتطلق العبادات عند الفقہاء علی الاحکام الشرعیۃ المتعلقۃ بامر الآخرۃ ویقابلھا المعاملات :

ترجمہ : عبادت مصدر ہے ۔ یعنی تابعداری کرنی اور

نہایت تعظیم اللہ تعالیٰ کے لئے اور تعریفات میں ہے۔ عبادت ایک مکلف کا فعل ہے جو کہ خواہشات نفسانی کے خلاف اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لئے کیا جاتا ہے۔ اور احکام شرعیہ پر فقہاء کے نزدیک عبادات کا اطلاق کیا جاتا ہے عبادات کا فقہاء کے نزدیک احکام شرعیہ پر جو کہ امر آخرت سے متعلق ہیں اور مقابل ان عبادت کے معاملات ہیں۔

عبادت المنجد اردو صنا عبادات کا معنی اللہ تعالیٰ کو ایک جاننا عبادت کے طریقے بتلانے کے لئے اللہ تعالےٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ،

ترجمہ: لیکن ہو جاؤ تم رب والے

ملت، شریعت، دین سب ایک چیز ہے دین ایک ہے اور شریعتیں مختلف الحاصل تینوں کا مرض ایک ہے، علاج و دوا بھی ایک ہے صرف اختلاف مزاج اور اختلاف طبائع کی بنا پر مقدار ادویہ میں فرق کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح انبیاء کرام کا دین ایک ہے سب ایک ہی اصل پر متفق ہیں اختلاف زمان و مکان اور اختلاف حالات کی وجہ سے اسی ایک دین اور ایک اصل کی صورتیں اور شکلیں اور طریقے مختلف ہوتے رہے اس لئے کہ دین کی حقیقت یہ ہے کہ خدا کو وحدہٗ لاشریک ماننا ذات اور صفات کے لحاظ سے بے مثل اور بے مثال سمجھنا، راحت و تکلیف سراء و ضراء عیش و نشاط انقباض اور انبساط میں اسی کی طرف وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ٥ رجوع کرنا عجیب تحقیق وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ ٥ معاوی شریف

صلا اَیْ دِیْنَہٗ وَشَرِیْعَتَہٗ فَالْمِلَّۃُ وَالدِّیْنُ وَالشَّرِیْعَۃُ بِمَعْنًی وَاحِدٍ وَھُوَ الْاَحْکَامُ الَّتِیْ جَعَلَھَا اللّٰہُ لِلتَّعَبُّدِ بِھَا فَمِنْ حَیْثُ اِمْلَاءِ ھَا یُقَالُ لَھَا مِلَّۃٌ وَمِنْ حَیْثُ شَرْعِھَا یُقَالُ یُقَالُ لَھَا شَرِیْعَۃٌ وَمِنْ حَیْثُ التَّدَیُّنِ بِھَا یُقَالُ لَھَا دِیْنٌ ۝

ترجمہ:۔ جوکہ کچھ مانگتا ہو اسمیں اپنے رب کی طرف توجہ رکھیئے اور ملت ابراہیمی سے تو وہی روگردانی کرے گا۔ جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو جسکی تفسیر صاوی شریف صلا میں ہے۔ جسکا ترجمہ یہ ہے (یعنی دین اور شریعت سے) پس ملت اور دین اور شریعت کا ایک معنی ہے یعنی وہ احکام جن کو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے اُن کے ساتھ عبادت کرنے کے لئے اُن کی لکھنے کی حیثیت سے انہیں ملت کہا جاتا ہے۔ اور اُن کے جاری کرنے کی حیثیت سے انہیں شریعت کہا جاتا ہے۔ اور اُنکے ساتھ دین حاصل کرنے کی حیثیت سے دین کہا جاتا ہے۔

الشرع قاموس صـ۱۰۷۳ اَلشَّرْعُ مَصْدَرٌ وَعِنْدَ الْفُقَھَاءِ مَا شَرَعَ اللّٰہُ تَعَالٰی لِعِبَادِہٖ وَفِی التَّعْرِیْفَاتِ اَلشَّرْعُ فِی اللُّغَۃِ عِبَارَۃٌ عَنِ الْبَیَانِ وَالْاِظْھَارِ یُقَالُ شَرَعَ اللّٰہُ کَذَا اَیْ جَعَلَہٗ طَرِیْقًا وَمَذْھَبًا وَمِنْہُ الْمَشْرُوْعَۃُ انتہی:

ترجمہ: شرع مصدر ہے اور فقہا کے نزدیک وہ احکام ہیں جو اللہ نے جاری کئے ہیں۔ اپنے بندوں کے لئے تعریفات میں یوں

ہے کہ الشرع لغت میں : عبارت بیان اور اظہار سے ہے کہا جاتا ہے
شرع اللہ کذا یعنی کیا اللہ تعالیٰ نے اُسے راستہ اور مذہب اور اسی سے
ماخوذ ہے المشروعہ

الدِّینُ قاموس ص۱۰۲۸ وَالدِّیْنُ اَلْجَزَاءُ وَالْمُکَافَاۃُ
یُقَالُ کَمَا تَدِیْنُ تُدَانُ وَالدِّیْنُ اَیْضًا اَلْاِسْلَامُ اِنَّ
الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ وَاسْمٌ لِجَمِیْعِ مَا یُعْبَدُ اللّٰہُ
بِہٖ وَالْمِلَّۃُ وَالْوَرَعُ وَالدِّیْنُ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ وَضْعٌ اِلٰہِیٌّ
سَائِقٌ ذَوِی الْعُقُوْلِ بِاخْتِیَارِہِمْ اِیَّاہُ اِلَی الصَّلَاحِ فِی
الْحَالِ وَالْفَلَاحِ فِی الْمَآلِ وَھٰذَا یَشْمِلُ الْعَقَائِدَ وَالْاَعْمَالَ
وَقَالَ السَّیِّدُ الشَّرِیْفُ الدِّیْنُ وَالْمِلَّۃُ یَتَّحِدَانِ فِی الذَّاتِ
وَیَخْتَلِفَانِ فِی الْاِعْتِبَارِ فَاِنَّ الشَّرِیْعَۃَ مِنْ حَیْثُ
اَنَّھَا تُطَاعُ تُسَمّٰی دِیْنًا وَمِنْ حَیْثُ اَنَّھَا تَجْمَعُ
تُسَمّٰی مِلَّۃً وَمِنْ حَیْثُ اَنَّہٗ یُرْجَعُ اِلَیْھَا تُسَمّٰی
مُذْھَبًا وَقِیْلَ الْفَرْقُ بَیْنَ الدِّیْنِ وَالْمِلَّۃِ وَالْمَذْھَبِ
اَنَّ الدِّیْنَ مَنْسُوْبٌ اِلَی اللّٰہِ وَالْمِلَّۃُ مَنْسُوْبَۃٌ اِلَی الرَّسُوْلِ
وَالْمَذْھَبُ اِلَی الْمُجْتَھِدِ انتھی الدِّیَانَۃُ اِسْمٌ لِجَمِیْعِ
مَا یُعْبَدُ اللّٰہُ بِہٖ وَالْمِلَّۃُ وَالْمَذْھَبُ وَعِنْدَ الْفُقَھَاءِ
التَّنَزُّہُ ۔

ترجمہ :۔ دین ایک بدلہ ہے اور مکافات ہے کہا جاتا ہے کما تدین تدان۔
دین اسلام کو بھی کہا جاتا ہے جیسا ارشاد باری ہے۔ دین اللہ کے نزدیک اسلام
ہی ہے۔ یہ دین نام ہے تمام اُن احکام کا جن سے اللہ کی عبادت کی جاتی ہے

ملّت اور ورع اور دین علما کے نزدیک ایک قانون الٰہی ہے جو کہ عقل
والوں کو اُن کے اختیار کے ساتھ لے جاتا ہے۔ فوری صلاح کی طرف حال ہیں
فلاح کی طرف مال ہیں اور یہ قوانین شامل ہیں عقائد اور اعمال دونوں کو کہا سید شریف
نے دین ملّت فی الذات متحد ہیں اور فی الاعتبار مختلف ہیں پس شریعت
کی اس حیثیت سے کہ اسکی اطاعت کی جاتی ہے اسے دین کہتے ہیں اور اس
حیثیت سے کہ ان احکام کو جمع کیا جاتا ہے ملّت کہا جاتا ہے (یعنی لکھا) اور اس حیثیت
سے کہ اُس شریعت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اُسے مذہب کہا جاتا ہے۔
اور بعض نے کہا ہے کہ دین اور ملت اور مذہب کے درمیان یہ فرق ہے
کہ دین کی نسبت کی اللہ کی طرف ہوتی ہے۔ اور ملّت کی نسبت رسول کی طرف
ہوتی ہے اور مذہب کی نسبت مجتہد کی طرف ہوتی ہے (انتھیٰ) دیانت
نام ہے اُن سب احکام کا جن سے عبادت کی جاتی ہے۔ اللہ کی یعنی تین چیزوں
کا یہ نام ہے اور فقہا کے نزدیک بچنا (التنزہ) گناہ سے

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ روح المعانی
صـ۱۰۶ اَیْ لَا دِیْنَ مَرْضِیٌّ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰی سِوَی الْإِسْلَامِ
وَهُوَ عَلٰی مَا أَخْرَجَ ابْنُ جَرِيْرٍ عَنْ قَتَادَةَ شَهَادَةُ أَنْ
لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَالْإِقْرَارُ بِمَا جَاءَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ
تَعَالٰی وَهُوَ دِيْنُ اللّٰهِ تَعَالٰی الَّذِيْ شَرَعَ لِنَفْسِهٖ وَبَعَثَ
بِهٖ رُسُلَهٗ وَدَلَّ عَلَيْهِ أَوْلِيَاءَهٗ لَا يُقْبَلُ غَيْرُهٗ وَلَا
يُجْزِئُ إِلَّا بِهٖ وَرُوِيَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ

اَمِيرِ الْمُؤمِنِيْنَ كَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَجْهَهٗ اَنَّهٗ قَالَ فِيْ خُطْبَةٍ لَّهٗ لَاَنْسُبَنَّ الْاِسْلَامَ نِسْبَةً لَّمْ يَنْسُبْهَا اَحَدٌ قَبْلِيْ اَلْاِسْلَامُ هُوَ التَّسْلِيْمُ وَالتَّسْلِيْمُ هُوَ الْيَقِيْنُ وَالْيَقِيْنُ هُوَ التَّصْدِيْقُ وَالتَّصْدِيْقُ هُوَ الْاِقْرَارُ وَالْاِقْرَارُ هُوَ الْاَدَاءُ وَالْاَدَاءُ هُوَ الْعَمَلُ

ترجمہ :۔ دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے روح المعانی ص۱۰۶ یعنی اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین صرف اسلام ہی ہے۔ ابن جریر سے روایت ہے قتادہ سے گواہی دینی اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور جو کچھ اللہ کی طرف سے آیا ہے۔ اُس کا اقرار کرنا۔ یہ وہی دین ہے اللہ کا جو اللہ نے مقرر کیا ہے۔ اپنے لئے اور دین کے ساتھ رسولوں کو بھیجا ہے اور اسی کی راہبری کی ہے۔ اپنے اولیا اللہ کو اس کے بغیر کوئی اور دین مقبول نہیں اور اسی دین پر عمل کرنے سے بدلا دیا جائیگا حضرت ابن ابراہیم سے روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا اُنھوں نے خطبے میں وہ نسبت اسلام کو کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نے نہیں کی وہ یہ ہے۔ اسلام تسلیم کو کہا جاتا ہے۔ اور تسلیم یقین ہے اور یقین تصدیق ہے اور تصدیق اقرار اور اقرار ادا ہے۔ اور ادا عمل ہے۔

بحث ملت حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ روح المعانی ص۳۷۱

وَالْمِلَّةُ فِي الْاَصْلِ اِسْمٌ مِّنْ اَمْلَلْتُ الْكِتَابَ بِمَعْنٰى اَمْلَيْتُهٗ كَمَا قَالَ الرَّاغِبُ وَمِنْهُ طَرِيْقٌ مَّلُوْلٌ اَيْ مَسْلُوْكٌ مَّعْلُوْمٌ

كما نقله الأزهري ثم نقلت الى أصول الشرائع باعتبار انها يمليها النبي صلى الله عليه وسلم ولا يختلف الأنبياء عليهم السلام فيها وقد تطلق على الباطل كالكفر ملة واحدة ولا تضاف اليه سبحانه فلا يقال ملة الله ولا الى آحاد الأمة والدين يرادفها صدقا لكنه باعتبار قبول المأمورين لانه في الأصل الطاعة والانقياد ولاتحادهما صدقهما قال تعالى دينا قيما ملة ابراهيم حنيفا وقد يطلق الدين على الفروع تجوزا ويضاف الى الله تعالى والى الآحاد والى طوائف مخصوصة نظرا الى الأصل على ان تغاير الاعتبار كاف في صحة الاضافة ويقع على الباطل ايضا واما الشريعة فهي المورد في الأصل وجعلت اسما للأحكام الجزئية المتعلقة بالمعاش والمعاد سواء كانت منصوصة من الشارع اولا لكنها راجعة اليه والنسخ والتبديل يقع فيها وتطلق على الأصول الكلية تجوزا قاله بعض المحققين ووحدت الملة وان كان لهم ملتان للايجاز اولانهما يجمعهما الكفر وهو ملة واحدة .

ترجمہ:۔ بحث ملت روح المعانی ص۱/۳۷ ملت اصل میں نام ہے۔

املات الکتاب سے بمعنی آملیت یعنی میں نے اس کتاب کو لکھا جیسا کہ راغب نے کہا ہے۔ اسی سے طریق۔ مَلُولٌ مسلوکٌ معلومٌ یعنی چلا ہوا معلوم راستہ۔ جیسا کہ ازھری سے نقل کیا ہے پھر نقل کیا گیا ہے لفظ ملت کو اصول شرائع کی طرف اس اعتبار سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں لکھواتے ہیں۔ اور انبیاء علیہ السلام اس ملت سے مختلف نہیں ہیں اور کبھی ملت کا اطلاق باطل پر بھی کیا جاتا ہے جیسا کہا جاتا ہے الکفر ملۃٌ واحدۃٌ ملت کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کیجاتی ملۃ اللہ نہیں کہا جاتا

اور دین مرادف ہے ملت کا صدق میں لیکن باعتبار قبول کرنے مامورین کے کیونکہ دین اصل میں طاعت اور تابعداری کو کہا جاتا ہے۔ اور طاعت و انقیاد دونوں کا اطلاق ایک ہے اس لئے اللہ نے فرمایا۔ دیناً قیماً ملۃ ابراھیم حنیفاً اور کبھی اطلاق کیا جاتا ہے۔ دین کا فروع پر مجازاً اور نسبت کیا جاتا ہے۔ اللہ کی طرف اور افراد اُمت اور مخصوص طائفوں کی طرف اصل کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس بنا پر کہ تغایر اعتبار کافی ہے صحت اضافت میں اور کبھی کبھی دین کا اطلاق باطل پر بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے، لکُم دِینکُم وَلِی دین۔

ترجمہ:۔ تمہارے لئے تمہارا باطل دین اور میرے لئے دین حق۔

اور شریعت اصل میں جائے ورود کو کہا جاتا ہے۔ اور نام کیا گیا احکام جزئیہ کا جو متعلق ہیں۔ معاش اور معاد سے چلے ہے وہ احکام

شارع علیہ سلام سے ہوں یا نہ لیکن رجوع کرنے والے شارع کی طرف ہوں اور نسخ اور تبدیل احکام شریعت ہوتی رہتی ہے اصول کلیہ پر بھی ان کا اطلاق مجازاً ہوا کرتا ہے۔ کہا ہے اس کو بعض محققین نے اور لفظ ملت کو مفرد لایا گیا اگرچہ اُن کے لئے دو ملتیں ہیں۔ اختصار کے لئے اور یا اس لئے کہ ان دو ملتوں کا جامع کفر ہے۔ اور وہ ایک ملت ہے۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا شرعتہ ومنھاج کی تحقیق

روح المعانی صـ۱۵۳ جلد نمبر ۶ شرعة بکسر الشین وقرا یحیی بن وثاب بفتحها الشريعة وهى فى الاصل الطريق الظاهر الذى يوصل منه الى الماء والمراد بها الدين واستعمالها فيه لكونه سبيلاً موصلا الى ما هو سبب للحياة الابدية كما ان الماء سبب للحياة الفانية اولانه طريق الى العمل الذى يطهر العامل عن الاوساخ المعنوية كما ان الشريعة طريق الى الماء الذى يطهر مستعمله عن الاوساخ الحسية وقال الراغب سمى الدين شريعة تشبيها بشريعة الماء من حيث ان من شرع فى ذالك على الحقيقة روى وتطهر واعنى بالرى ما قال بعض الحكماء كنت اشرب فلا اروى فلما عرفت الله تعالىٰ رويت بلا شراب وبالتطهر ما قال الله تعالىٰ ولكن يريد ليطهركم

ترجمہ :- ہر قوم کے لئے تم میں سے ہم نے ایک شریعت اور منہاج (راستہ) بنایا
روح المعانی ص۱۵۳ جلد نمبر ۶ شرعت کسرشین کے ساتھ ہے۔ یحیٰی
بن وثاب نے فتح شین سے پڑھا ہے۔ اور یہ اصل میں اس راستے
کو کہا جاتا ہے جو کہ پانی تک پہنچا دے اور مراد اس سے دین ہے۔ اور
استعمال اُس کا دین میں ہوتا ہے کیونکہ یہ دین اِنسان کو اُس راستے پر
پہنچاتا ہے جس کی وجہ سے اُسے حیات ابدی حاصل ہوتی ہے جیسا کہ
پانی سبب ہے۔ حیات فانیہ کا (یعنی اِنسان کو اس سے زندگی حاصل
ہوتی ہے) یا اس لئے یہ راستہ ہے۔ اُس کام کا جس کے کرنے کی وجہ سے
اِس کا عامل معنوی معنوں سے پاک ہو جاتا ہے (یعنی گناہوں سے)
جیسا کہ شریعت راستہ ہے پانی کی طرف جس پانی کے استعمال سے
جسم کی میل دور ہو جاتی ہے اور جسم پاک ہو جاتا ہے۔ راغب نے
کہا کہ دین کو شریعت کہا جاتا ہے۔ مشابہتاً پانی کے ساتھ اِس
حیثیت سے جو شخص پانی کے استعمال میں حقیقتاً شروع ہو جائے
تو وہ پانی پینے سے سیر ہو جاتا ہے۔ اور میں سیر ہونے سے مراد
رکھتا ہوں جو کہ بعض حکما نے کہا ہے کہ وہ مقولہ یہ ہے کہ میں
پانی پیتا ہوں اور سیر نہیں ہوتا۔ پس جبکہ پہچان لیا میں نے
بن پیئے میں سیر ہو گیا اور پانی کے متعلق اللہ نے کہا۔
ولکن یرید لیطھرکم = ترجمہ :- اللہ ارادہ کرتا ہے کہ تمہیں پاک
کرے۔

والمنهاج روح المعانی ص۱۵۳ جلد ۶ والمنهاج الطريق الواضح فی الدين من نهج الامر اذا وضح والعطف باعتبار جمع الاوصاف وقال المبرد الشرعة ابتداء الطريق والمنهاج الطريق المستقيم وقيل هما بمعنى واحد وهو الطريق والتكرير للتاكيد ٥

ترجمہ:۔ منہاج روح المعانی ص۱۵۳ جلد نمبر۶ منہاج دین کے واضح راستہ کو کہا جاتا ہے۔ یہ منقولہ ہے نہج امر سے جبکہ وہ امر واضح ہو جاوے اور عطف باعتبار جمع اوصاف کے ہے اور مبردؒ نے کہا کہ شرعت ابتدائے راستہ کو کہتے ہیں اور منہاج سیدھے راستہ کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے۔ کہ دونوں کے معنی ایک ہیں یعنی اور تکرار تاکید کے لئے ہے۔

بحث الاسلام والایمان بخاری شریف باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علٰی خمسٍ وَهُوَ قَوْلٌ وفِعْلٌ وَيَزِيْدُ وَيَنْقُصُ ٥

ترجمہ:۔ بخاری شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے حضرت امام بخاریؒ نے فرمایا وہ زبان سے اقرار کرنا اور جوارح سے عمل کرنا اور وہ ایمان زیادہ بھی ہوتا ہے اور کم بھی ہوتا۔

عمدۃ القاری فی الحدیث اعنی حدیث جبریل

علیہ السلام بیان لاصل الایمان وھو التصدیق الباطن واصل الاسلام وھو الاستسلام والانقیاد الظاھر

عمدۃ القاری ص۲۹

ترجمہ:۔ یہ حدیث بیان ہے اصل ایمان کے لئے وہ کیا ہے۔ دِل سے تصدیق کرنی ہے۔ اور اصل اسلام کیا ہے مان لینا اور تابعداری ظاہر۔

اسلام:۔ یہاں یہ تحقیق بیان کر دینا مناسب ہے کہ مصداق ایمان میں اعمال کو داخل کرنے میں تین مذہب ہیں

مذہب (۱) اعمال حقیقت ایمان شرعی کے لئے جزء حقیقی ہیں وَ اِذَا فَاتَ الجزءُ فَاتَ الکُلُّ یہ مذہب معتزلہ وخوارج کا ہے

مذہب (۲) اعمال ایمان سے بالکل خارج ہیں حتیٰ کہ مصداق ایمان سے بھی بے تعلق ہیں الایمان قول بلا عمل ان کا مقولہ ہے یہ مذہب مرجئہ کا ہے مذہب (۳) اعمال حقیقت ایمانی سے تو خارج ہیں مگر ایمان کے لئے متمم اور مکمل ضرور ہیں جیسے اعضاء انسانی حقیقت انسانی سے خارج ہیں مگر کمال انسانی کے لئے موقوف ہیں خلاصہ یہ کہ کمال ایمان کے لئے جزء اور اس میں داخل ہے یہ مذہب اہل سنت والجماعت کا ہے:۔

صفات باری عز اسمہ قال اللہ تعالیٰ اللہ لا الٰہ الا ھو لہ الاسماء الحسنیٰ: ذات خداوندی باوجود ایک ہونے کے پھر سب کمالات کے ساتھ موصوف ہے، ایک شخص بڑھئی اور جلد ساز دونوں کے کام کرتا ہے اس لئے دو نام ہو گئے ورنہ حقیقت میں ہے وہ ایک ہی ذات ایسے ہی ذات خداوندی بھی بسبب جدا جدا کاموں کے خالق، رازق، سمیع، بصیر کہلاتی ہے، غرض یہ کہ صفات کا متعدد ہونا اسکی وحدت کے کسی طرح منافی نہیں اور جس طرح ذات خداوند تمام موجودات کے لئے اصل ہے، اسی طرح کمالات خداوندی کمالات مخلوق کے لئے اصل ہیں، اور مخلوق میں جو کمال ہے، وہ اسی کے کمال کا پرتو اور عکس ہے جیسا کہ مخلوقات کا وجود اسی کے وجود کا پرتو اور عکس ہے آفتاب میں اگر نور نہ ہوتا تو زمین کیسے منور رہوتی، آتش میں اگر حرارت نہ ہوتی تو پانی کیسے گرم ہوتا اگر خالق میں کمال نہ ہوتا تو مخلوق میں کہاں سے کمال آجاتا، بندوں میں حیات بھی ہے، علم و قدرت بھی ہے، ارادہ و اختیار بھی ہے، سمع و بصر اور کلام بھی ہے، اور یہ ساری باتیں باتفاق خوبی اور کمال کی سمجھی جاتی ہیں یہ کمالات اگر خالق میں نہ تھے تو مخلوق میں کہاں سے آگئے، نیز اگر خداوند کریم ان صفات کمالات کے ساتھ موصوف نہ ہو تو مخلوق کا خالق سے اور ممکن کا واجب سے افضل ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ مخلوق میں حیات، علم، قدرت، سمع، بصر سب موجود ہے، اب اگر خدا ان صفات سے عاری ہو تو یقیناً مخلوق کو خالق سے افضل کہنا پڑے گا کیونکہ زندہ کا مردہ سے اور عالم کا غیر عالم سے اور قادر کا غیر قادر سے افضل

ہونا بالکل ظاہر ہے'

؎ خشک ابرے کہ بود زآب تہی ٭ ناید ازوے صفت آبدہی

حیات دوسری صفت خداوندی پس ضروری ہے کہ اللہ میں صفت حیات اس درجہ کامل اور اکمل ہو کہ واہمہ موت سے کبھی پاک ہو اور تمام عالم کی حیات اسی کی حیات کا پرتو اور فیض ہو حیات اس کے لئے ذاتی اور اصلی خانہ زاد ہو اور کیوں نہ ہو اس لئے کہ ایسے بدیع عالم کا ایک میت اور جماد سے صادر ہونا عقل محال سمجھتی ہے اور باقی عالم کی حیات اسی کی بخشش اور عطاء کا ثمرہ ہے اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ اس کے سوا کوئی خدا نہیں وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اور سب کا سنبھالنے والا ہے' وَھُوَ الَّذِیْ اَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ اسی ذات نے تمکو حیات عطا کی اور وہی پھر تمکو مارے گا اور پھر حیات عطا کرے گا

علم دوسری صفت خداوندی اور وہ ذات علیم بھی ہے یعنی اسکو ہر ذرہ کی خبر ہے کوئی شئی ایسی نہیں کہ جو اسکو معلوم نہ ہو اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ اللہ تعالیٰ ہر شئے کا جاننے والا ہے' عالم میں جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے یا ہوگا ازل ہی میں اس کو ان سب باتوں کا بالتفصیل علم تھا۔

؎ بر و علم یک ذرہ پوشیدہ نیست ٭ کہ پیدا و پنہاں بنزدش یکیست

اور وہ کیوں نہ عالم ہو جب اسی نے تمام عالم کو پیدا کیا اور وہی اسکو باقی رکھتا ہے اور وہی اسکی تربیت کرتا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ان چیزوں کا جاننے والا نہ ہو' کسی شئی کو موجود کر دینا یا اس کو باقی رکھنا

یا اسکی تربیت کرتے رہنا بغیر علم کے محال ہے۔ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ
کیا وہ نہیں جانتا کہ جس نے پیدا کیا حالانکہ وہی ایک ایسی ذات ہے کہ جو باریک بین
اور خبردار ہے یعنی اس کا لطیف اور خبیر ہونا ہی اس کے علیم ہونے کی کافی
دلیل تھا چہ جائیکہ وہ خالق بھی ہے علاوہ ازیں علم کی حقیقت صرف اس
قدر ہے، کہ معلومات عالم کے سامنے موجود ہوں کوئی شئی اس سے مخفی نہ ہو
اور جہل کی حقیقت یہ ہے کہ معلومات اسکے سامنے موجود نہ ہوں بلکہ
غائب اور مخفی ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ مصنوع صانع سے غائب نہیں ہو سکتا
یہ کیسے ممکن ہے کہ جن حقائق کو وہ وجود عطا کرتا ہے وہ حقیقتیں اس سے
محجوب اور مستور ہوں پس یقیناً عالم کی تمام چیزیں اس معطی وجود کے
سامنے بے حجاب اور بے نقاب ہونگی۔ اور اسی بے حجاب اور بے نقاب
ہونے کا نام علم ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ
بے شک اللہ پر کوئی چیز زمین اور آسمان کی پوشیدہ نہیں وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ
وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ
تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا
فِي السَّمَاءِ وَلَا اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ بے شک
اللہ پر کوئی چیز زمین اور آسمان کی پوشیدہ نہیں۔ آپ کی کوئی شان اور کوئی
تلاوت اور کوئی عمل ایسا نہیں کہ جس پر ہم حاضر اور مطلع نہ ہوتے ہوں۔ جبکہ
تم اس عمل میں مشغول ہوتے ہو اور آپ کے رب سے ایک ذرہ بھی غائب
نہیں ہوتا نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور چھوٹی سے چھوٹی اور بڑے بڑی

سے بڑی کوئی شئے ایسی نہیں کہ جو ہمارے یہاں لوح محفوظ میں درج نہ ہو، ایک معمولی گھڑی اور گھنٹہ کو دیکھکر ہم کو اس کا یقین آجاتا ہے کہ اس کا موجد ضرور علم ہندسہ کا بڑا حاذق اور ماہر ہوگا کہ جس نے اوقات معلوم کرنے کیلئے یہ عجیب و غریب آلہ ایجاد کیا لہٰذا اس عالم کا نظام شمسی اور قمری دیکھکر یہ کیسے یقین نہ آئے کہ اس کا بنانے والا بڑا ہی علیم و حکیم ہے :-

قدرت نمبر ۳ اور وہ ذات قدرت بھی رکھتا ہے اس قدرت کی وجہ سے جس شئے کو چاہے موجود یا معدوم کرسکتی ہے۔ کسی چیز سے وہ عاجز نہیں جیسا کہ قرآن عزیز میں ہے، اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یقیناً حق تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے مخلوقات میں جو کچھ قدرت اور اختیار ہے وہ سب اسی کا فیض اور عطیہ ہے پس یہ کسطرح ممکن ہے کہ مخلوق تو اپنے افعال پر قادر اور مختار ہو اور خدا تعالیٰ اپنے افعال میں مجبور اور مضطر ہو ہر سلیم الفطرت جانتا ہے، کہ قدرت اور اختیار صفت کمال ہے اور ایجاب اور اضطرار کھلا ہوا عیب ہے وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ تیرا پروردگار پیدا کرتا ہے جس چیز کو چاہتا ہے اور اختیار کرتا ہے وہ قادر مختار ہے جس طرح چاہے تصرف کرے لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ۔

سے کرا زہرہ آنکہ از بیم تو ٭ کشاید زباں جز بہ تسلیم تو
زبان تازہ کردن باقرار تو ٭ نینگیختن علت از کار تو

ایک خدشہ اور اسکا جواب :- خدا اگر قادر ہے مطلق تو اپنے فناء کرنے پر کیوں قادر نہیں جواب یہ ہے، کہ قادر کی تاثیر اور قدرت کو اس وقت

ناقص کہہ سکتے کہ جب مقدور میں اثر قبول کرنے کی صلاحیت ہو مگر فاعل کسی وجہ سے اثر نہ کرسکتا ہو۔ شجر اور حجر اور دیگر جمادات اگر نور آفتاب سے منوّر نہ ہوں تو آفتاب کا کیا قصور ہے، آفتاب کی تنویر تو شیشہ اور توے سب ہی پر واقع ہوتی ہے، لیکن جب آئینہ پر اسکی تنویر واقع ہوتی ہے، تو چمکنے لگتا ہے۔ توے میں یہ بات نہیں اسلئے کہ اس میں روشن ہونے کی صلاحیت ہی نہیں۔ ٹھیک اسی طرح جب اسکی قدرت کاملہ ممکنات سے متعلق ہوتی ہے تو ممکنات اپنی ذاتی استعداد اور صلاحیت کی وجہ سے اس کا اثر قبول کرتے ہیں۔ اور محالات اور ممتنعات اس وجہ سے کہ ان میں اثر قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد ہی نہیں اگر وہ تحت القدرۃ نہ داخل ہوں تو قدرت خداوندی کا کیا قصور ہوا اور باری تعالیٰ پر چونکہ موت اور فناء کا طاری ہونا اسکے حی و قیوم ہونے کیوجہ سے محال ہے۔ اس لئے اگر اسکی موت ظہور میں نہ آسکے تو اسکی قدرت کاملہ کا کوئی قصور نہیں۔

جواب۲:۔ کہ حق تعالیٰ کا وجود واجب اور ضروری ہے، اور عدم اس کا محال اور ممتنع ہے اور قدرت کا تعلق محالات کے ساتھ نہ ایجاداً (یعنی قدرت اس محال کو موجود کردے) ہوسکتا ہے، اور نہ اعداماً (یعنی قدرت اس محال کو معدوم کردے) اس لئے کہ محال اس کو کہتے ہیں کہ جس کا عدم حتمی اور لازمی ہو اور اس کا وجود میں آنا ناممکن ہو۔ پس اگر قدرت کا محال کے ساتھ اعداماً تعلق ہو تو معدوم کا معدوم کرنا لازم آتا ہے جس سے کوئی فائدہ نہیں اور اگر ایجاداً اسکے متعلق ہو تو محال کا موجود ہونا لازم آتا ہے۔ اور

کوئی شئے وجود میں داخل ہونے کے بعد محال نہیں رہ سکتی۔ اور علیٰ ہذا قدرت کا تعلق واجبات کے ساتھ بھی نہ ایجاداً ہو سکتا ہے نہ اعداماً ایجاداً تو اس وجہ سے نہیں ہو سکتا کہ موجود کو موجود کرنا سراسر تحصیل حاصل ہے' اعداماً اس وجہ سے نہیں ہو سکتا کہ واجب یعنی جس کا وجود ضروری اور حتمی تھا اس کا معدوم کرنا لازم آتا ہے۔ اور معدوم ہونے کے بعد وہ شئے واجب نہیں رہ سکتی الحاصل اسکے قدیر اور مقتدر ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور اگر شک ہو تو کیونکر ہو ایسے حکیمانہ افعال اور مناظر قدرت کو دیکھ کر بھی اگر کوئی بدبخت اس کی قدرت کو نہ مانے تو اسکی مثال اس شخص کی سی ہو گی کہ جو مخمل اور کیمخواب کو جو قسم قسم کے نقش و نگار سے مزین ہو دیکھ کر یہ کہے کہ یہ کپڑا کسی مردہ شخص یا اپاہج اور بے دست و پا کا بنا ہوا ہے'

اُن میں سے ایک کو بلا مرجح اختیار کر لینا۔ اِس کو ارادہ کہا جاتا ہے

ارادہ نمبر۶ ارادہ کے معنی کسی شی کے وجود اور عدم کو جو کہ قدرت کے اعتبار سے برابر تھے ان میں سے کسی ایک جانب کو اپنے اختیار سے ترجیح دینے کے ہیں پس جو کچھ ہوتا ہے' وہ اسی کے ارادے سے ہوتا ہے۔ ازل میں جو کچھ ارادہ کر لیا تھا اب اسی کے مطابق ہو رہا ہے' قال اللہ تعالیٰ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ وہ جو ارادہ کرتا ہے' وہی کر گذرتا ہے عالم میں اس قسم کا انضباط اور استحکام بدون ارادہ اور اختیار کے پیدا ہونا یقیناً محال ہے' خدا کے افعال بدون ارادہ اور اختیار خود بخود مثل حرکت مرتعش کے صادر ہوتے تو عالم میں یہ انضباط اور استحکام اور حسن انتظام ہرگز ہرگز نہ ہوتا

اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ہ بندہ جس کام کا ارادہ کرتا ہے، اسی کے مطابق اعضاء حرکت کرنے لگتے ہیں۔ لیکن یہ کوئی نہیں بتلا سکتا کہ اعضاء کو اس ارادہ کا علم کسطرح ہو جاتا ہے۔ پس جبکہ بندہ ہی کے ارادہ کے تعلق کی کیفیت نہیں بتلائی جا سکتی تو خداوند ذوالجلال کے ارادہ کے تعلق کی حقیقت کون بتلا سکتا ہے۔ بلکہ جو شخص یہ ارادہ کرتا ہے وہ خود اپنے ارادہ کے تعلق کی کیفیت سمجھانے سے قاصر ہے۔

وَالْاِرَادَۃُ وَالْمَشِیَّۃُ۔ لفظان مترادفان لغۃ واصطلاحا عند الجمہور

ترجمہ:۔ ارادہ اور مشیت دونوں لفظ مترادف ہیں لغۃ و ۔۔۔ اصطلاحاً عند الجمہور

ثبوت تقدیر:۔ جو کام ارادہ اور اختیار سے کیا جاتا ہے پہلے اسکو سمجھ لیتے ہیں مکان اگر بناتے ہیں تو پہلے اس کا نقشہ تیار کر لیتے ہیں تاکہ مکان کی تعمیر نقشہ کے مطابق ظہور میں آئے اس لئے ضروری ہے کہ اس عالم کا نقشہ بھی خدا کے یہاں پہلے ہی سے ایک پنہاں وجود رکھتا ہو اور اس نقشہ ہی کے مطابق اس وجود ظاہری کا کارخانہ برقرار ہوتا ہو اہل اسلام اسی وجود پنہانی کو تقدیر کہتے ہیں اس مقام پر دو شبے ہیں پہلا شبہ یہ ہے کہ شر اور برائی کا اس کی مشیت سے واقع ہونا اسکی شان تقدس کے خلاف ہے، دوسرا شبہ یہ ہے کہ جب خدا ہی بندہ کے افعال کا خالق ٹھہرا تو برے اعمال میں بندہ کی کیا تقصیر ہوئی ایسی صورت میں بندہ کو سزا دینا کیا ظلم نہ ہوگا۔

معتزلہ :- نے اسکی شان تنزیہ اور تقدیس کو قائم رکھنے کے لئے یہ
کہہ دیا کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہو گیا تو خدا کے تنزیہ اور تقدیس
میں کوئی فرق نہ آیا۔ اور برے افعال کرنے سے بندہ ہی قصوروار رہتا ہے
خدا ظالم نہیں ٹھہرتا لیکن اس کہنے سے بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے اشکال
نہیں رفع ہوتا۔ اس لئے کہ اگر بالفرض بندہ ہی کے مخلوق ہوں تو وہ اخلاق اور
ملکات اور وہ قدرت اور اختیار کہ جس کے ذریعہ سے بندہ افعال کرتا
ہے وہ بندہ کے مخلوق نہیں۔ اخلاق کو اخلاق اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ
خلقی ہیں۔ اخلاق جیسے خدا نے بنا دیئے ویسے ہی بنگئے اور ان کو کوئی بدل
نہیں سکتا اور انہیں اخلاق پر جزاء و سزا کا مدار ہے، جیسا تخم ہوتا
ہے، ویسا ہی پھل درخت کو لگتا ہے۔ اور جب جزاء و سزا کا مدار تخم
اخلاق پر ہوا۔ اور اخلاق خدا کے مخلوق ٹھہرے تو افعال کو اپنا مخلوق
بتانے سے کیا فائدہ ہوا ہاں اپنے آپ کو خالق کہکر کم فہم اور بے ادب ہونا
ثابت ہو گیا۔ افسوس کہ ان لوگوں نے جزاء و سزا کی حقیقت کو نہ سمجھا۔ جزاء
و سزا حقیقت میں تخم اخلاق اور اشجار اعمال کے پھل کا نام ہے جیسے
انار اور انگور ایک خاص تخم اور درخت کے پھل کا نام ہے۔ درخت
کو زمین کا مخلوق کہو یا خدا کا مخلوق پھل بہرحال لگتا ہے۔ ایسے ہی اعمال
اپنا مخلوق بتلاؤ یا خدا کا جزاء و سزا بہرحال مرتب ہوتی ہے، اس کی
کیا ضرورت تھی کہ خدا جیسے خالق کو چھوڑ کر اپنے کو خالق بتلا دیا۔ اگر جزاء و
سزا ہی کا راستہ سنبھالنا تھا تو یہ کہہ سکتے تھے کہ پھل کے اچھے اور برے

ہونے کا مدار اگرچہ تخم ہی پر ہے لیکن عرف میں درخت ہی کا پھل کہلاتا
ہے ایسے ہی جزاء وسزا اگرچہ تخم ہی پر موقوف ہے۔ لیکن عرف میں عمل ہی
کی جزاء وسزا اگرچہ تخم ہی پر موقوف ہے۔ لیکن عرف میں عمل ہی کی جزاء و
سزا کہتے ہیں الحاصل اس فریق نے خدا کی تنزیہ اور تقدیس قائم رکھنے
کے لئے بندہ کو خود اپنے افعال کا خالق مان لیا۔ لیکن جب ساتھ ہی ساتھ
اخلاق کو خدا کا مخلوق مان لیا تو بندہ کو خالق مان لینے سے کوئی فائدہ نہ
ہوا۔ اور قطع نظر اس سے کہ اس مقام پر کوئی فائدہ ہوا یا نہیں۔ بندہ کو
خالق افعال ماننے سے اور چند اشکال سر پڑ گئے اشکال یہ ہے کہ بندہ کے
مخلوقات خدا کی مخلوقات سے بڑھ جائیں۔ کیونکہ بندہ جو خدا کا مخلوق
ہے وہ تو ایک ہے اور بندہ کے ایک ہی دن کے افعال اگر دیکھے جائیں تو
لاکھوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور اگر تمام عمر کے افعال کو دیکھا جائے تو اس
کا تو اس کا تو کوئی شمار ہی نہیں پس اگر ایک ارب انسان خدا کے پیدا کئے
ہوئے ہیں تو ہر انسان کے افعال بھی ایک ارب سے کم نہ ہونگے۔ اس صورت
میں خدا کی مخلوقات کا حاصل جمع ایک ارب ہوتا ہے اور بندوں کی مخلوقات
کا حاصل جمع سنوارب ہوتا ہے بندہ اگر اپنی عاجزی اور لاچاری اور
خدا کی عظمت اور شوکت کا ذرا بھی خیال کرے تو ہرگز اپنے کو خالق نہ بتلائے
جو شخص دو اور چار اور دو دونی ہونے کا مطلب خوب سمجھ لیگا وہ ہرگز
یہ نہیں کہہ سکتا کہ دو دونی پانچ ہوتے ہیں۔ اسی طرح جو خدا کی عظمت اور
قدرت اور بندے کے عجز و نیاز کو خوب سمجھ لیگا اس سے یہ کسی طرح ممکن نہیں

کہ وہ خدا کو عظیم و قدیر نہ مانے اور اپنے آپ کو خالق بتلائے۔

مسئلہ تقدیر :- کے متعلق اہل حق کی تحقیق اہل حق نے جب یہ دیکھا کہ نہ فرقہ قدریہ اس عقدہ کو حل کر سکا اور نہ فرقہ جبریہ۔ اس لئے اہل حق متوجہ ہوئے کہ طالبانِ حق کے سامنے عقل و نقل کی روشنی میں ایسی تشفی بخش تحقیق پیش کی جائے کہ جس سے قلوب مطمئن ہو جائیں وہ خصوصاً پیش کردہ شبہات کا قلع اور قمع ہو جائے۔

اہل حق کہتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہو گیا۔ کہ انسان نہ تو خالق اور فاعل مستقل ہے اور نہ شجر اور حجر کی طرح مجبور محض ہے۔ تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ نہ جبر محض ہے۔ نہ قدر محض انسان نہ فاعل مستقل ہے اور نہ شجر اور حجر کی طرح مجبور محض ہے۔ ایک بین بین حالت میں ہے۔ بندہ اپنے افعال کا خالق اور فاعل مستقل نہیں فاعل مستقل اور خالق تو ہر شئے کا خدا تعالیٰ ہی ہے۔ لیکن اس قادر مطلق اور مختار کل نے کچھ قدرت اور اختیار اور ارادہ بندہ کو بھی عطا کیا ہے کہ جس سے بندہ اپنے مولیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کر سکے اسی وجہ سے بندہ کو کاسب کہا جاتا ہے۔ اور اس خداداد قدرت اور اختیار سے بندہ جو فعل کرتا ہے۔ اصطلاح شریعت میں اس کو کسب کہتے ہیں اور اسی وجہ سے بھلائی اور برائی اسکی طرف منسوب کیجاتی ہے اور اسی کسب پہ بندہ مدح اور ذم کا مستحق ہوتا ہے۔ اور اسی پر جزا و سزا ثواب اور عذاب ملتا ہے۔ ع

چلا علام سے ہیں ستی کو بڑا تقدیر
بلائیں پڑنے کو کچھ اختیار لیتا جا

لہذا بُرے افعال کے ارتکاب سے بندہ ہی کو بُرا کہا جائیگا۔ خالق ہونے کی وجہ سے خداوند تعالیٰ کیطرف کوئی بُرائی منسوب نہیں کی جا سکتی تلوار چلانے والے ہی کو قاتل کہا جاتا ہے تلوار بنانے والے کو نہ ہی کوئی قاتل کہتا ہے اور نہ کوئی بُرائی اُسکی طرف منسوب کیجاتی ہے۔ تلوار کا بنانا تو کمال ہی کمال ہے۔ لیکن اگر اُس کا استعمال بے محل ہے تو وہ بلا شُبہ معیوب اور مذموم ہے۔ رنگریز کو اسود یعنی سیاہ نہیں کہا جا سکتا جو کپڑا سیاہ رنگ میں رنگا گیا ہے۔ اُسی کو سیاہ کہا جائیگا۔ اِسی طرح کافر اور گمراہ وہی کہلایا جائے گا جو کفر اور ضلالت کی سیاہی میں رنگین ہے۔ جس نے کفر اور ضلالت کی سیاہی کو پیدا کیا۔ اِس کی طرف کوئی بُرائی منسوب نہیں کی جا سکتی۔ اس خلاق عالم نے تو سیاہ اور سفید کفر اور ایمان ہر قسم کے رنگ پیدا کئے۔ اور تمہارے سامنے کر دیئے اور خوب اچھی طرح بتلا دیا۔ کہ یہ رنگ اچھا ہے۔ اور یہ بُرا بھلے اور بُرے میں امتیاز کرنے کے لئے تم کو عقل دی کرنے اور نہ کرنے کی تم کو قدرت دی اس پر بھی اگر کوئی ایمان کے صاف اور سفید رنگ کو چھوڑ کر کفر کی سیاہی اپنے قلب کو لگالے تو یہ اس کا قصور ہے۔

حکایت:۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضؓ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ امام موصوف نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے یہ دریافت کیا کہ اے صاحبزادہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیا حق تعالےٰ نے کوئی امر بندوں کے تفویض اور سپرد فرمایا ہے۔ کہ وہ اپنے اختیار سے جو چاہیں کریں ارشاد فرمایا۔ کہ اللہ عزوجل اس سے پاک اور منزہ ہے کہ اپنی ربوبیت بندوں کے

سپرد فرمائے امام ابوحنیفہؒ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر کوئی
جبر کیا ہے اور کسی چیز کے کرنے پر ان کو مجبور کیا ہے۔ ارشاد فرمایا۔ کہ
اللہ تعالیٰ کی شان عدل سے یہ بعید ہے کہ وہ بندوں کو کسی امر پر مجبور
کرے اور پھر اُس پر اُن کو عذاب دے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے
عرض کیا۔ کہ پھر کیا صورت ہے۔ تو فرمایا کہ حالت بین بین ہے۔ نہ جبر ہے
اور نہ تفویض نہ اکراہ ہے۔ اور نہ تسلیط (کذا فی المکتوبات المجددیۃ)
پس جبکہ یہ ثابت ہو گیا۔ کہ بندہ شجر اور حجر کی طرح مجبور نہیں بلکہ
خداوند تعالیٰ ذوالجلال نے اس کو کچھ اختیار اور ارادہ عطا فرمایا ہے۔
کہ جس سے وہ اپنے سخت سے سخت دنیوی کاروبار چلاتا ہے۔ اور قوانین
حکومت کا مکلف اور پابند سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ وہ خود بھی اپنے کو آئین
اور دستور کا پابند سمجھتا ہے۔ تو سمجھو کہ اسی طرح بندہ احکام الٰہیہ کا
بھی مکلف ہو سکتا ہے۔
اور اسی خداداد اختیار سے جو افعال اس سے صادر
ہوں ان پر مدح و ذم ثواب اور عقاب جزاء اور سزاء مرتب ہو
سکتی ہے اور اسی خداداد اختیار سے بندہ جو فعل کرتا ہے۔ اسی کا نام
اصطلاح شریعت میں کسب ہے۔ لہذا یہ شبہ تو کافور ہوا کہ اگر خدا تعالیٰ
ہی بندہ کے افعال کا خالق ہو تو ایسی صورت میں بندہ کا کیا قصور اور ایسی
صورت میں بندہ کو سزا دینا ظلم ہے۔
جھوٹ بولتا ہے خداوند تعالیٰ نے کوئی ظلم نہیں کیا یہ خود ہی ظالم ہے۔

کردیہ ہے اور بہزار رضاء و رغبت باوجود ممانعت کے معصیت کا مرتکب ہوا اور پھر اپنے کو مظلوم بتاتا ہے کیا یہ کھلی ہوئی بے حیائی نہیں کہ جرم خود کرتا ہے۔ اور اس کا بوجھ اور ذمہ داری خداوند قدوس پر رکھنا چاہتا ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ عما تقولون علوا کبیرا

پہلا شبہ باقی رہ گیا۔ کہ شر اور برائی کا اس کی مشیت سے واقع ہونا اسکی شان تقدس کے خلاف ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ہم گذشتہ صفحات میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ خلق قبیح قبیح نہیں۔ اور ایجاد شر۔ شر نہیں۔

پاخانہ فی حد ذاتہ بے شک ناپاک اور بہت بری چیز ہے۔ مگر قصر شاہی کے لئے اس کا وجود ضروری ہے۔ قصر شاہی بغیر بیت الخلاء کے غیر مکمل اور ناتمام ہے سیاہ بال اور سیاہ خال اگرچہ فی حد ذاتہ بدنما اور برے ہیں مگر آفتاب اور ماہتاب جیسے چہرہ کی رونق اور دل آویزی کو جس حد تک پہنچا دیتے ہیں۔ غالباً اس سے کوئی بے خبر نہیں معدہ اور امعاء اگرچہ مرکز نجاست ہیں مگر اس میں شک نہیں کہ مدار حیات ہیں۔

بہر حال یہ چیزیں گو انفرادی طور پر بری ہیں۔ مگر مجموعہ کے لحاظ سے خیر محض ہیں مجموعہ بدون ان کے بے زیب رہتا ہے جس طرح ایک انسان میں بدون خال اور سیاہ بالوں کے حسن نہیں پیدا ہوتا۔ اسی طرح مجموعہ عالم میں بدون کفر اور ضلالت کی سیاہی کے حسن نہیں پیدا ہو سکتا۔ مجموعہ عالم میں حسن جب ہی آسکتا ہے کہ جب اس میں حسین چہرہ کی طرح ایمان و ہدایت بھی ہو اور سیاہ بالوں اور نجاست معدہ کی طرح کفر و ضلالت بھی ہو ایمان و ہدایت اپنی

ذات سے حسین ہیں اور کفر و ضلالت اپنی ذات سے قبیح مگر ایجاد اور خلق دونوں کا حسن اور خیر ہے کیونکہ مجموعہ عالم کے لئے جیسے خیر کی ضرورت ہے ویسے شر کی بھی ضرورت ہے۔ ورنہ مقصد ناقص اور ناتمام رہتا ہے۔ اس لئے کہ ایجاد عالم سے مقصود حق تعالیٰ کو کوئی اپنا ذاتی نفع اور نقصان نہیں۔ بنانے سے اس کے کمالات میں کوئی اضافہ نہیں اور نہ بنانے سے کوئی کمی نہیں۔ مقصد صرف اس قدر ہے۔ کہ اپنے کمالات اور صفات کے مظاہر پیدا فرمائے اور اپنی خوبیوں کو ظاہر کرے گے اور ظاہر ہے۔ کہ اسکے کمالات کسی ایک دائرہ میں محدود نہیں۔ بلکہ مختلف قسم کے ہیں اگر وہ رحم و کرم کا مالک ہے۔ تو عقاب و الم کا بھی مالک ہے۔ معز اور مذل بھی ہے۔ منعم اور منتقم بھی ہے۔ پس اگر بعض صفات کمالیہ کے مظاہر پیدا کئے جائیں اور بعض کے نہ پیدا کئے جائیں۔ تو مقصد ناتمام رہتا ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ انعام اور انتقام اعزاز اور اکرام دونوں ہی کے مظاہر پیدا کئے جائیں۔ یعنی مومن بھی ہوں۔ اور کافر بھی اور ذات انتقام بھی ابوبکر اور عمر بھی ہوں۔ ابوجہل اور ابولہب بھی ہوں ے

درکارخانہ عشق از کفر ناگزیر است ؛ دوزخ کرا بسوزد گر بولہب باشد

پس منکرین کو اس واسطے پیدا کیا تاکہ ان کو عذاب دے اور صفت قہر و غضب کا اظہار ہو اور مومنین کو اس لئے پیدا کیا۔ تاکہ انکو مورد الطاف بنائے اور صفت ترحم کا اظہار ہو۔ اور گنہگاروں کو اس لئے پیدا فرمایا۔ تاکہ صفت عفو اور مغفرت کا اظہار ہو، کما قال لیعذب اللہ المنافقین والمنافقات والمشرکین والمشرکات ویتوب اللہ علی المؤمنین والمؤمنات وکان اللہ غفورا رحیما۔

ترجمہ:۔ تاکہ حق تعالیٰ منافقین اور منافقات کو اور مشرکین اور مشرکات کو عذاب دیں، اور مؤمنین اور مؤمنات پر توجہ فرمائیں۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔

اِنسان دستِ قدرت پر ایسا ناچتا ہے۔ جیسا کہ ایک پُتلی پُتلی والے کے ہاتھ پر ناچتی ہے۔ پُتلی والا کبھی پُتلی سے بادشاہ اور وزیر کا کام لیتا ہے۔ اور کبھی جاروب کش اور بھنگی کا کام لیتا ہے۔ جو چاہتا ہے۔ اچھا اور بُرا کام اُس سے لیتا ہے۔ مگر پُتلی کو انکار کی گنجائش نہیں اور نہ پُتلی کو یہ حق ہے کہ پُتلی والے سے یہ سوال کر سکے کہ مجھ سے جاروب کش کا کام کیوں لیا اور بادشاہ کا کام کیوں نہیں لیا۔ حالانکہ وہ پُتلی بھی پُتلی والے کی طرح خدا کی مخلوق ہے۔ پس جبکہ ایک پُتلی پُتلی والے سے یہ سوال نہیں کر سکتی۔ تو مخلوق کو خالق سے سوال اور محاسبہ کا کہاں حق ہو سکتا ہے کہ مجھکو نالائق و ناہنجار یعنی کافر و بدکار کیوں بنایا اور فلاں کو صالح اور نیک اطوار یعنی مومن کیوں بنایا۔

مالک کو اختیار ہے۔ کہ جس تختہ کو چاہے شہ نشین میں لگائے اور جس تختہ کو چاہے۔ بیت الخلاء کے قدمچہ میں لگائے اور جس تختہ سے چاہے قرآن کریم رکھنے کی رحل بنائی جس لکڑی کو چاہے چھت میں لگائے اور جس کو چاہے چولہے کا ایندھن بنائے نہ کوئی یہ ظلم ہے۔ نہ کسی کو مجال دم زدنی ہے۔ اور نہ کسی تختہ کو کسی قسم کے سوال کا کوئی حق ہے۔ مالک کو اختیار ہے۔ کہ جس لوہے کو چاہے تلوار بنائے اور جس لوہے سے چاہے اپنے گھوڑے کے نعل بنوائے۔

مکان میں راحت اور آرام کے لئے دالان اور قضاء حاجت کے لئے

پاخانہ بناتے ہیں۔ اگر پاخانہ کی زبان ہو اور وہ یہ شکایت کرے کہ میرا قصور کیا ہے کہ جو ہر روز مجھ میں نجاست اور گندگی ڈالی جاتی ہے۔ اور دالان نے کیا انعام کا کام کیا ہے۔ کہ جو فرش اور قالینوں اور گلدستوں سے آراستہ ہے۔ تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ تو اسی لائق ہے اور ہم نے تجھکو اسی لئے بنایا ہے۔ اور وہ اسی قابل ہے۔ اور اُسکو اسی لئے بنایا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس اگر گندگی یہ شکایت کرے کہ میرا کیا قصور ہے کہ جو مجھ کو ہمیشہ پاخانہ ہی میں ڈالا جاتا ہے۔ کبھی دالان نصیب نہیں ہوتا۔ سو اس کا بھی یہی جواب ہے۔

ایسا ہی بدوں اور گندوں وکافروں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یہ سوال کرسکیں کہ ہم کو ایسا کیوں بنایا، اور ہمکو کیوں دوزخ میں ڈالا جاتا ہے۔ اور اگر یہ سوال کریں تو یہی جواب ہے کہ تم اسی لائق ہو ہم نے تم کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ تم ہماری جہنم کا ایندھن ہو۔

کما قال تعالیٰ۔ ولقد ذرأنا لجھنم کثیرا من الجن والانس

ہر کسے را بہر کارے ساختند ⁂ میل او را در دلش انداختند

پس الحمد للہ یہ ثابت ہو گیا ہے۔ کہ ایجاد شر شر نہیں کیونکہ خلق اور ایجاد کے معنی اعطاء وجود کے ہیں یعنی کسی شئے کو وجود عطا کرنے کے ہیں۔ خالق کی طرف سے صرف وجود آتا ہے۔ جو کہ نور اور سراسر خیر ہے۔ بُرائی اور شر جو کچھ ہے وہ اس مخلوق کی ذات میں ہے۔ اور مخلوق کا خالق سے مباین اور منفصل ہونا ایک کھلی ہوئی بات ہے۔ پس جبکہ مخلوق خالق سے بالکل مباین اور منفصل ہے۔

اب اگر مخلوق کی ذات قبیح ہو تو اُس سے خالق - یا اُسکی ایجاد کی طرف کوئی قبیح منسوب نہیں ہو سکتا۔ کسی کوزہ کو بدنما ہونا کوزہ گر کے بدنما ہونے کو مستلزم نہیں کسی حرف کا بدنما ہونا کاتب کے بدنما ہونے کی دلیل نہیں اِس لئے کہ کوزہ - کوزہ گر سے اور حرف کاتب سے ایک منفصل اور جُدا چیز ہے۔ صفہ ۹۱ آگے صفہ ۱۱۴

صفات خداوندی نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات بلکہ لازم ذات ہیں۔

اِس مثال سے یہ بات بھی نکل آئی کہ صفاتِ خداوندی ذات باری تعالیٰ کے ساتھ ایسی نسبت رکھتی ہے۔ کہ اُن کو نہ عین ذات کہہ سکتے ہیں جیسا کہ نور کو نہ آفتاب کا عین کہہ سکتے ہیں۔ نہ غیر بلکہ یہ کہیں گے کہ آفتاب تو معدن نور اور منبع ضیا کا نام ہے۔ اور نور اِس کے لئے لازم ہے۔ جیسا کہ چار کے لیے زوجیت اور پانچ کے لئے فردیت اِسی طرح صفات خداوندی ذات باری کے لئے لازم ذات ہیں کہ اُن صفات اور کمالات کا ذات خداوندی سے جُدا ہونا ناممکن اور محال ہے۔

یہی تمام اہل سُنت والجماعت اور اشاعرہ اور ماتریدیہ کا مسلک ہے۔ کہ صفات خداوندی لازم ذات ہیں اور اسی کو امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی قدس سرہ نے مکتوبات میں اختیار فرمایا ہے۔ اور حکماء اور صوفیہ جو عینیت کے قائل ہوئے ہیں اُن کا شدومد کے ساتھ رد کیا ہے

۵۔ صفت السمع - یہ صفت خدائی ہے جس کا تعلق مسموعات کے ساتھ ہے

۶۔ صفت البصر - یہ صفت ازلی ہے جس کا تعلق مبصرات سے ہے۔

۷۔ صفت کلام - وَهُوَاَی اللّٰہ تعالیٰ مُتَکَلِّمٌ بِکَلَامِ النَّفْسِی - کلام صفت

ازلی ہے جوکہ المسمی بالقرآن المرکب من الحروف - مراد اس سے یہ ہے کہ صفات الٰہیہ میں قرآن سے مراد معنی قدیم ہے جوکہ قائم اللہ کی ذات کے ساتھ ہے۔ اور یہ قرآن جو مرکب حروف الہجا سے ہے یہ حادث ہے۔ اور صفت قدیمہ قائمہ اللہ کی ذات سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس کلام قدیم پر دلالت کرنے والا ہے پہلی کو کلام نفسی کہا جاتا ہے۔ اور دوسری کو لفظی کہا جاتا ہے۔ یہ وہ صفتیں ہیں جن سے اللہ کی ذات کسی وقت بھی خالی نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ صفات ذات ہیں اور صفات الافعال حادث ہیں ان سے اللہ کا خالی ہونا جائز ہے۔ جیسے تخلیق۔ ترزیق۔ تصویر اور مثل اسکی اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حوادث اللہ کی ذات سے قائم ہو گئے کیونکہ اضافات اور اعتباری ہیں ان کا وجود خارج میں نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صفات اللہ تعالےٰ نہ عین ذات ہیں اور نہ غیر ذات ہیں یہ فی نفسہا ممکن ہیں۔ واجب لذات الواجب ہیں۔ نہ لذاتہا پس توحید باری تعالیٰ اپنی ساری قسموں کے ساتھ بیان ہو گئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ - اب یہاں ایک مسئلہ بیان کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے۔ جو سچے موحدین اولیا اللہ کی مزارات پر فیض حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ اور بعض گمراہ لوگ اُنکو مشرک - پیر پرست یا بدعتی کے الفاظ سے پکارتے ہیں۔ یہ تعصب اور جہالت ہے۔ لہٰذا ایسے فرقے کی اور لفظ شرک کفر کی پوری تشریح کی جاتی ہے تاکہ مسئلہ خوب ذہن نشین ہو جائے۔

اہل حق اہل سُنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اولیاء اللہ سے امور خارق عادت کا ظاہر ہونا جیسے ہوا پر چلنا' دریا پر چلنا' دُور سے آواز سن لینا' دور سے دیکھ لینا' غائبانہ امداد کرنا، مشکل امور کا ان کی دُعا و توجہ سے آسان ہو جانا وغیرہ وغیرہ ممکن اور واقع ہیں

موجودہ دور میں یہ وَبا عام پھیل چکی ہے اور پھیلتی جا رہی ہے کہ اولیاء اللہ کو حاجت روا سمجھ کر ان کے آگے حاجت روائی کی اِلتجا کرنا شرک ہے۔ اولیاء اللہ کو دُور سے سُننے والا۔ دیکھنے والا سمجھ کر حاجت روائی کے لئے پُکارنا شرک ہے۔ قبور اولیاء اللہ پر جانا شرک ہے۔ مزار کو بوسہ دینا شرک ہے۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ اہل قبور ہماری کسی قسم کی امداد کر سکتے ہیں شرک ہے اور ان امور کے شرک ہونے پر قرآن کریم کی وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جو کفار اور ان کے بتوں کے حق میں وارد ہوئی ہیں۔ یعنی قرآن کریم میں جہاں اصنام یعنی بتوں کا ذکر ہوا ہے۔ ان کے نزدیک اس سے مراد قبور انبیاءؑ و اولیاءؒ ہیں اور مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ سے مراد انبیاءؑ و اولیاءؒ ہیں اور انبیاء و اولیاء کی تعظیم کرنے والے مشرک اور کافر ہیں۔ یعنی ان حضرات کے نزدیک کفار کے بت اور انبیاء و اولیاء کی مزارات بالکل یکساں ہیں۔ اور اولیاء اللہ کی تعظیم کرنا۔ ان کے پاس حاجات لے جانا اور ان کو باذن اللہ حاجت روا سمجھنا ان کو رب اور خدا سمجھنا ہے جو کہ شرک ہے اور ان امور کے عامل مشرک و کافر ہیں۔ یہ ہے ان حضرات کے مسلک کا مختصر سا خاکہ۔ اب اس کے متعلق پہلے اس بات کو ذہن نشین فرما لیں کہ ان حضرات کا یہ عقیدہ خارجیوں کی اتباع ہے۔ صحیح بخاری شریف باب

قتال الخوارج والملحدین پارہ اٹھائیسواں صفحہ ۱۰۲۴ مطبوعہ مجتبائی میں امام بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک قول ذکر فرمایا ہے وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا یَرَاھُمْ شِرَارَ الْخَلْقِ وَقَالَ اِنَّھُمْ اِنْطَلَقُوْا اِلٰی اٰیَاتٍ نَزَلَتْ فِی الْکُفَّارِ فَجَعَلُوْھَا عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ۔ یعنی ابن عمرؓ خوارج کو بدترین مخلوق سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ اس راستہ پر چلے ہیں کہ جو آیات قرآن کریم میں کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں ان کو انہوں نے مسلمانوں پر منطبق اور چسپاں کر دیا۔ جاننا چاہیئے کہ خوارج وہ فرقہ ہے کہ باوجود کلمہ گو ہونے کے مدعی اسلام ہونے کے نماز وغیرہ اعمالِ اسلام پر کاربند ہونے کے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ لڑائی کرنے اور ان کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا اور ان کے علامات ذکر فرمائے جیسے کہ احادیث شریفہ میں مذکور ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی دورِ خلافت میں ان سے لڑائی کی اور ان کو قتل کیا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جو کہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں اس بنا پر کہ انہوں نے آیات کلام اللہ میں تحریف کی ہے۔ یعنی جو آیات کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں ان کو مسلمانوں پر چسپاں کر دیا ہے لہٰذا ان پر بدترین مخلوق ہونے کا فتویٰ صادر فرمایا ہے تو جو حضرات کہ خوارج کی تقلید میں یہی مسلک اختیار کریں ان کا حال ظاہر ہے۔ اب وہ الفاظ جن سے یہ متبعین خوارج سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ ان سے چند الفاظ کے معانی کا مطابق اصطلاح قرآن وحدیث ذکر کرنا ضروری ہے تاکہ طالبِ حق پر حقیقت واضح ہو جائے اور ان کے دھوکہ سے بچ جاوے۔ وہ الفاظ یہ ہیں:

(۱) رب (۲) شرک (۳) ولی (۴) من دون اللہ (۵) دعا (۶) عبادت۔

اول رب کی تعریف جوکہ متبعین خوارج نے کی ہے غلط ہے۔ کیونکہ قرآن میں ہے کہ سلیمان علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین میل کی مسافت سے (کیونکہ فوج سلیمانی کا احاطہ تین میل تھا جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے) ایک چیونٹی کی آواز کو سن لیا اور اس پر تبسم فرمایا فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّن قَوْلِهَا یعنی سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی نملہ کے قول سے تبسم فرمایا۔ یہ غائبانہ مسافتِ بعیدہ سے سن لینا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر نبوی پر مدینہ طیبہ میں کھڑے ہو کر ساریہ امیر فوج کو ایک مسافت بعیدہ پر اپنی آواز سُنا دی اس کی حالت کو دیکھ لیا۔ یہ ہے مسافتِ بعیدہ پر غائبانہ دیکھنا اور آواز کا پہنچا دینا۔ سُنا دینا۔ تو ایسے اُمور خارق عادت انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام اور اولیاء اللہ سے صادر ہوتے رہے ہیں۔ ان کی بنا پر کسی نے ان کو رب نہیں سمجھ لیا اور موجودہ دور میں تو سائنس نے آواز کو دُور پہنچانا اور دُور سے آواز کو کھینچ لینے کو عام فہم کر دیا ہے۔ جب یہ امور مادیات کے ذریعہ سے ممکن اور واقع ہیں تو روحانیت سے بطریقہ اولیٰ یہ امور ممکن ہیں کیونکہ رُوح کی طاقت مادہ سے زیادہ ہے۔ یہ علاوہ چیز ہے کہ کسی نے اپنے عقائد فاسدہ اور اعمال خبیثہ سے روح کی طاقت کو بیکار کر دیا ہو۔ رب کی تفسیر صحیح وہ ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ نازل ہوئی تو عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کہ عیسائیت سے مسلمان ہوئے تھے۔ عرض کی یا رسول اللہ! ہم احبار و رہبان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، کیا وہ تمہارے لئے

اشیاء کی حرمت اور حلت کے فتوے نہیں دیتے تھے اور تم ان کے اقوال پر عمل کرتے تھے۔؟ عرض کی عدیؓ نے ہاں یا رسول اللہ! فرمایا حضرتؐ نے یہی چیز ہے رب بنانا۔ اس فرمانِ نبوی نے بیان فرمایا کہ کسی کو رب بنانے کا یہ معنے ہے کہ کسی کو اشیاء کے حرام اور حلال کرنے کا مختار سمجھے اور اس کے قول کو واجب التسلیم سمجھ کر اس پر عمل کرے۔ غائبانہ مسافتِ بعیدہ سے دیکھنے والا اور سننے والا وغیرہ وہ امور جن کا بطور خرقِ عادت عباد اللہ سے صادر ہونا قرآن کریم اور احادیث نبوی سے ثابت ہو کسی ولی اللہ میں ان اوصاف کے ہونے کا عقیدہ رکھنا نہ اس کو رب بنانا ہے اور نہ شرک ہے۔ اور اشیاء کی حرمت و حلت صرف بذریعہ وحی جلی یا خفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے ہو سکتی ہے اور حلال خدا کو حلال جاننا اور حرام خدا کو حرام جاننا ایمان اور اس کا عکس کفر ہے۔ لہٰذا غیر اللہ کو حرام و حلال کرنے کا مختار سمجھنا اس کو رب بنانا ہے اور کفر ہے۔

دوسرا لفظ شرک ہے۔ جاننا چاہیے کہ شرک بلحاظ لغت کے مطلق حصہ دار ہونے کو کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں رب تعالیٰ کی ذات یا صفات یا احکام یا افعال میں کسی غیر کو رب تعالیٰ کے برابر مساوی سمجھ لینے کا نام شرک ہے اور کفارِ عرب کا شرک پانچ اقسام کا تھا قسم اوّل۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کا بالکل اِنکار اور اللہ تعالیٰ کی سب صفات زمانہ کے لئے ثابت کرنا اور زمانہ کو مستقل موثر حقیقی سمجھنا ان کو دہریہ اور کمیونسٹ کہتے ہیں۔ اس عقیدہ میں زمانہ کو اللہ تعالیٰ کے مثل اور مساوی جاننے سے شرک لازم آگیا۔ دوسرا قسم اللہ تعالیٰ کو خالق

اشیاء ماننا مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی مستقل خالقوں کا وجود ماننا جیسے خالق خیر یزدان و خالق شر اہرمن۔ اس عقیدہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے مساوی اور خالق ماننے سے شرک لازم آگیا تیسرا قسم اللہ تعالیٰ کو واحد ماننا مگر اس کی اولاد لڑکے یا لڑکیاں ماننا۔ اور اولاد ماں باپ کے ساتھ مساوی ہوتی ہے لہٰذا یہ عقیدہ بھی شرک ٹھہرا۔ چوتھا قسم اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا مگر ساتھ ہی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ایک بار پیدا کر کے تھک گیا ہے۔ اب اس کی خدائی کو چلانے والے یہ ہمارے معبود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کچھ بھی نہیں کرتا۔ سب کچھ ہمارے معبودوں کے اختیار میں ہے۔ اس عقیدہ کا شرک ہونا بھی ظاہر ہے۔ پانچواں قسم اللہ تعالیٰ کو واحد خالق ماننا مگر یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ عالم کے کاروبار چلانے میں ہمارے معبودوں کا محتاج ہے۔ یہ اس کی بادشاہی میں دخل دینے والے ہیں جیسے اسمبلی کے ممبر کہ گورنر بغیر منظوری ممبران کے کوئی کام نافذ نہیں کر سکتا اور جیسے کہ ممبران باوجود تابع اور رعایا ہونے کے بادشاہ پر دھونس اور غلبہ رکھتے ہیں کہ اگر بادشاہ کی مرضی کے خلاف ہو تب بھی وہ اپنے غلبہ اور دھونس سے اپنی مرضی کے مطابق کام کرا سکتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے معبود دھونس سے شفاعت کرتے ہیں کہ ان کی بات خدا کو مجبوراً ماننی پڑتی ہے۔ ہمارے معبودوں کے دخل کے بغیر اللہ تعالیٰ کوئی کام چلا نہیں سکتا۔ اس عقیدہ کا شرک ہونا اظہر من الشمس ہے۔ ان پانچوں قسم کے شرک کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہ ذکر فرما کر مفصلاً ہر ایک کی تردید فرمائی ہے اور سب اقسام کی تردید اجمالاً سورۂ اخلاص میں فرما دی ہے۔ یعنی قُلْ هُوَ اللّٰهُ دہریہ کا رد اَحَدٌ دوسرے قسم کے شرک کا رد اَللّٰهُ الصَّمَدُ پانچویں

قسم شرک کا رد لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ تیسرے قسم شرک کا رد وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ چوتھے قسم شرک کا رد۔

خلاصہ یہ ہے کہ شرک کا مدار مساوات و برابری پر ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ یعنی کفار مشرکین قیامت کے دن اپنے معبودوں سے کہیں گے۔ قسم ہے اللہ کی۔ ہم کھلی گمراہی میں تھے کہ ہم تم کو رب العالمین کے مساوی و برابر جانتے تھے اور کفر شرک سے عام ہے ہر شرک چونکہ اس سے انکار الوہیت لازم آجاتا ہے کفر ہے اور ہر کفر جس میں مساوات کا دخل نہ ہو شرک نہیں۔ اب صاحب عقل سلیم شرک کے معنی کو صحیح طور پر ذہن نشین کر لینے کے بعد اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ متبعین خوارج کا یہ اعتراض کہ مشرکین اپنے بتوں کو خدا تعالیٰ کے ہاں سفارشی اور خدا رسی کا وسیلہ مانتے تھے۔ اور مسلمان انبیاء اور اولیاء کو شفیع اور وسیلہ مانتے ہیں تو ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ کفار اس عقیدہ کی وجہ سے مشرک اور مسلمان اس عقیدہ سے مومن۔ یہ فرق کیوں ہے۔ جیسے کفار کے اصنام غیر اللہ ہیں۔ اسی طرح یہ غیر اللہ ہیں، مردود اور ناقابل سماعت ہے۔ کیونکہ فرق دو وجہ سے ہے۔ ایک یہ کہ کفار خدا کے دشمنوں کو سفارشی اور وسیلہ مانتے تھے جو کہ اس کے اہل نہیں جیسا کہ قرآن کریم نے اس کے متعلق تصریح فرمائی ہے اور مسلمان اللہ تعالیٰ کے محبوبوں، مقربوں کو شفیع اور وسیلہ جانتے ہیں دیکھو گنگا کی تعظیم کفر، آب زمزم کی تعظیم ایمان۔ حالانکہ دونوں پانی ہیں۔ بت کی تعظیم کفر، کعبۃ اللہ مقام ابراہیم، حجر اسود کی تعظیم ایمان۔ حالانکہ

پتھر ہونے میں برابر ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کفار اپنے معبودوں کو دھونس کا شفیع مانتے تھے۔ خدا تعالیٰ کا مقابل سمجھتے تھے کہ وہ اپنی دھونس اور غلبہ سے خدا سے کام کرا سکتے ہیں اور مسلمان انبیاء اور اولیاء کو اللہ کا بندہ، اللہ کا محتاج، اللہ کے اذن و اجازت سے سفارش کرنے والا مانتے ہیں تو معیار ایمان کفر اذن اور مقابلہ ہے اور متبعینِ خوارج کا یہ اعتراض کہ کفار بتوں کو خالق رازق، مالک، محی ممیت نہیں مانتے تھے یہ صفات اللہ تعالیٰ کے لئے مانتے تھے، بتوں کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور بندہ مانتے تھے۔ مگر ان کے لئے فریاد رس ہونا، مشکل کشا ہونا، شفیع ہونا، حاجت روا ہونا دور سے پکار سننے والا عالم الغیب ہونا، اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ ہونا۔ یہ صفات ان کے لئے ثابت کرتے تھے۔ لہٰذا قرآنی فتویٰ سے وہ مشرک ہوئے تو جو مسلمان کہ انبیاء اور اولیاء کے لئے یہی صفات مانے گو ان کو خدا کا بندہ ہی کیوں نہ مانے، قرآنی فتویٰ سے مشرک ہے کیونکہ ان صفات کا کسی غیر اللہ میں ماننا اس کو خدا کے برابر اور مساوی ماننا ہے اور یہ شرک ہے۔ مطلب یہ کہ مافوق الاسباب امور میں کسی کو متصرف ماننا خدا ماننے کے مرادف ہے اور یہ شرک ہے کس قدر لغو اور لچر ہے اور قرآن پر افتراء ہے۔ دیکھو قرآنِ کریم سے عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مردوں کا زندہ کرنا، مادر زاد اندھوں کا بینا کرنا۔ کوڑھیوں کو شفا دینا باذن اللہ ثابت ہے۔ یوسف علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی قمیض سے اپنے والد کی نابینا آنکھ کا باذن اللہ بینا کر دینا، سلیمان علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تین میل کے فاصلہ سے چیونٹی کی آواز سن لینا، آصف بن برخیا کا مسافت ...

سے تخت بلقیس کو آنکھ جھپکنے کی دیر میں حاضر کردینا۔ ملائکہ کرام کا باذن اللہ عالم میں تصرف کرنا ثابت ہے اور یہ سب مافوق الاسباب امور میں تصرف ہے خلاصہ یہ ہے کہ تصرف مافوق الاسباب اگر کسی شخص کے لئے بالاستقلال خدا کے مقابلہ میں مانا تو شرک ہے اور اگر باذن اللہ وعطائے الٰہی مانا جاوے تو عین ایمان۔ فرق وہی اذن اور مقابلہ کا ہے۔ یہ ایک سخت مغالطہ ہے جو کہ متبعین خوارج نے عوام مسلمانوں کو اس سے گمراہ کرلیا ہے اللہ تعالےٰ ان کے شر سے ہر مسلمان کو بچاوے آمین۔ تیسرا لفظ ولی۔ ولی کا معنی باعتبار لغت کے قریب، والی، حمایتی ہے اور اصطلاح قرآنی میں آٹھ معنی میں استعمال ہوا ہے اوّل بمعنی دوست اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا دوم مددگار فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ سوم بمعنی والی وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًا چہارم و پنجم بمعنی قریب یا مالک اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ ششم بمعنی وارث اُولٰٓئِکَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ہفتم بمعنی ہادی اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ہشتم بہ معنی معبود وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖ اَوْلِیَآءَ چوتھا لفظ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مفسرین کرام نے لفظ دُوْن کی یہ تشریح فرمائی ہے کہ دون تجاوز کے معنی میں مستعمل ہے۔ یعنی ایک چیز کو چھوڑ کر دوسری چیز کی طرف جانے میں لفظ دون استعمال ہوتا ہے جیسا کہ آیت شریفہ فَادْعُوْا شُھَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کی تفسیر صاحب روح المعانی فرماتے ہیں بلاؤ معارضہ کی طرف ان کو جو تمہارے مددگار ہیں اور حاضر ہیں اللہ کو چھوڑ کر مطلب یہ ہے کہ دون کا ترجمہ جو غیر اللہ کیا جاتا ہے اس سے مراد مطلق

غیر نہیں ہوتا بلکہ اس میں معنے چھوڑ دینے کا اور مقابلہ کا ملحوظ ہوتا ہے کیونکہ اگر دون اللہ کا ترجمہ مطلق غیر اللہ کیا جاوے اور معنی مقابلہ و چھوڑ دینے کا لحاظ نہ رکھا جاوے تو آیاتِ قرآنیہ میں تعارض ہو جاویگا اور بعض جگہ بالکل معنی درست نہ ہو گا جیسا کہ آیتِ کریمہ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ یعنی نہیں ہے تمہارے لئے بغیر اللہ کے کوئی ولی اور نہ کوئی نصیر اور آیت کریمہ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کمزور مسلمان جو کفار کے نرغہ میں پھنسے ہوئے ہیں یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارے واسطے اپنے نزدیک سے کوئی والی اور نصیر بنا۔ اگر پہلی آیت میں یہی معنی کیا جاوے کہ اللہ کے سوا کوئی والی، کوئی نصیر نہیں تو اس آیت شریفہ میں اس دعا کے الفاظ غلط ہو جاتے ہیں۔ اور تناقض پیدا ہو جاتا ہے۔ تناقض اسی طرح رفع ہوتا ہے کہ پہلی آیت کا یہ معنی ہے کہ اللہ کے مقابل اللہ کو چھوڑ کر کوئی والی کوئی نصیر نہیں ہے اور دوسری آیت میں وہ ولی اور نصیر مراد ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنی جانب سے کمزور مسلمانوں کی امداد کے لئے مقرر فرما دے۔ حالانکہ وہ بھی غیر اللہ ہیں۔ اب تعارض رفع ہو گیا اور آیت کریمہ أَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ میں اگر یہ معنی کیا جاوے کہ آیا بنا لئے انہوں نے اللہ کے بغیر شفیع، تو معنی بالکل غلط ہو جاتا ہے کیونکہ شفیع مشفوع الیہ کا غیر ہوتا ہے جو بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی ہو گا ضرور غیر اللہ کا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ خود اپنے آپ کو سفارش نہیں کرتا اور جب یہ معنی کیا جاوے کہ کفار نے اللہ کے مقابل جو کہ اللہ تعالیٰ سے غلبہ اور زور سے بات منوانے والے ہیں

ان کے زعم میں ان کو شفیع بنالیا تو معنی آیتِ کریمہ بالکل صحیح ہو جاتا ہے۔ اس تحقیق سے ولی اللہ اور ولی من دون اللہ میں فرق بیّن معلوم ہو جاتا ہے۔ ولی اللہ، اللہ کا دوست اللہ کا مقرب بندہ۔ جیسا کہ فرماتا ہے اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ ہ اور ولی من دون اللہ کی دو صورتیں ہوں گی۔ ایک یہ کہ خدا کے دشمنوں کو دوست بنایا جاوے جیسے کہ کفار بتوں کو شیطان کو دوست بناتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ کسی اللہ کے دوست کو اللہ کے مقابل مددگار سمجھا جاوے کہ اللہ کے مقابلہ میں یہ ہماری امداد کرینگے اور اللہ کے عذاب سے چھڑا دیں گے۔ ولی اللہ کو ماننا عین ایمان اور ولی من دون اللہ کو ماننا کفر و شرک ہے۔ یہ کتنا ظلم ہے کہ من دون اللہ کا مصداق انبیاء و اولیاء کو بنایا جاتا ہے اور کتنا سخت مغالطہ عوام کو دیا جاتا ہے۔

پانچواں لفظ دعاء۔ دعاء کا لغوی معنی پکارنا ہے اور اصطلاح قرآنی میں پانچ معنی میں استعمال ہوا ہے (۱) پکارنا (۲) بلانا (۳) مانگنا (۴) پوجنا (۵) آرزو کرنا۔ لَاتَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا ترجمہ:۔ نہ کرو تم پکارنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو کہ یا فلاں! اس کا نام لے کر بلکہ حضرت کو اگر پکارنا ہو تو ادب سے پکارو کہو یارسول اللہ! یا نبی اللہ! حضرت کا نام پاک پکارنے کے وقت ذکر نہ کرو۔ یہاں دعا کا معنی پکارنا ہوا۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بلا تو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! مخلوقِ خدا کو اپنے رب کے راستہ کی طرف۔ یہاں معنی بلانا ہوا۔ فَاِذَا رَکِبُوْا فِی الْفُلْکِ دَعَوُا اللّٰہَ پس جس وقت کفار کشتیوں میں

سوار ہوتے ہیں اور خوف پیدا ہوتا ہے، اللہ سے دعا کرتے ہیں اور نجات مانگتے ہیں۔ یہاں معنی مانگنا ہوا اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ بے شک وہ جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو تم جیسے بندے ہیں اللہ تعالیٰ کے۔ یہاں معنی پوجنا ہوا وَلَکُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ، تمہارے لئے بہشت میں وہ ایسا ہوں گی جو تمہارے نفس خواہش کریں گے اور تمہارے لئے بہشت میں ہوگی وہ چیز جس کی تمنا کرو گے۔ یہاں معنی تمنا کرنا ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ جن آیات میں غیرِ خدا کی دعا کو شرک و کفر کہا گیا ہے اور اس پہ جھڑکا گیا ہے وہاں دعا کا معنی عبادت کرنا پوجنا ہے۔ ہر جگہ دعا کا معنی پوجنا نہیں ہے۔ متبعین خوارج یہ کہتے ہیں کہ دعا کا معنی قرآن کریم میں ہر جگہ پکارنا ہے اور غیر اللہ کا پکارنا شرک ہے اور چونکہ اس سے لازم آجاتا ہے کہ کسی شخص کا کسی حاجت کے لئے یا بغیر حاجت کے کسی غیر اللہ کو پکارنا شرک ہو۔ اور ناجائز ہے۔ حالانکہ یہ خلافِ عقل و نقل ہے خصوصاً آیت کریمہ کَدُعَاءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا اس کے جواز کی بین دلیل ہے۔ اس لئے ان حضرات کو ان آیات میں کئی من گھڑت قیود لگانے ضرورت محسوس ہوئی۔ کبھی کہتے ہیں کہ غائب کو پکارنا کہتے ہیں کہ مردہ کو پکارنا کبھی کہتے ہیں دور سے سننے کے لئے پکارنا کبھی کہتے ہیں کہ مافوق الاسباب سنانے کے لئے دور سے پکارنا اور کہتے ہیں کہ کسی غیر اللہ کو پکارنا اس کو رب و معبود بنانا ہے۔ اتنا خیال نہیں کرتے کہ جب پکارا عبادت کرنا ہوا تو پھر ان قیود کی کیا ضرورت ہے۔ عبادت غیر اللہ کی ہر حال میں شرک ہے اور

یہ نہیں جانتے کہ قرآن کریم کے لفظ مطلق کو خبر واحد سے بھی مقید کرنا جائز نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ من گھڑت قیود سے اپنے زعم فاسد کے درست کرنے کے لئے مقید کرنا۔ چھٹا لفظ عبادت ہے۔ عبادت کا معنی انتہائی عاجزی عابد کی اور انتہائی تعظیم معبود کی اور اس کی صرف ایک صورت ہے کہ کسی کو اپنا آلہ رب سمجھکر اتنی تعظیم کی جاوے کہ اس سے زیادہ تعظیم متصور نہ ہو سکے۔ اسی کا نام عبادت ہے اور اگر بغیر اس عقیدہ کے یعنی اس کو الہ رب نہ اعتقاد کرے اس کی تعظیم کرے جیسے ماں باپ' استاذ' پیر۔ اس کو اطاعت اور تعظیم کہتے ہیں عبادت نہیں کہتے اور یہ تعظیم شرعاً جائز ہے ممنوع نہیں بلکہ حسب موقع واجب اور مستحب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ ... الآیت پس جو لوگ ایمان لائے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور تعظیم کی انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ لوگ فلاح پانے والے ہیں اور فرماتا ہے وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ یعنی جنہوں نے اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کی۔ پس یہ تعظیم ان لوگوں کے اعمال سے ہے جن کے دلوں میں تقویٰ ہے۔ صاحب تفسیر روح البیان فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کو دینی عظمت حاصل ہو۔ وہ شعائر اللہ ہیں۔ ان کی تعظیم کرنا ضروری ہے جیسے بعض مہینے بعض دن بعض مقامات بعض اوقات۔ اسی لئے صفا مروہ کعبہ معظمہ رمضان شریف شب قدر کی تعظیم کی جاتی ہے۔ یہ فرق ہے عبادت اور تعظیم میں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مدار قصد اور نیت پر ہے۔ اگر کسی کو معبود رب

سمجھ کر تعظیم کرتا ہے تو اس کو عبادت کہتے ہیں اور اگر کسی کو دینی عظمت والا سمجھ کر تعظیم کرتا ہے تو اس کو عبادت نہیں کہتے تعظیم و اطاعت کہتے ہیں اگرچہ کیفیتِ فعل یکساں ہی کیوں نہ ہو۔ صرف قصد اور نیت سے فعل کی صفت اور حکم بدل جاتا ہے دیکھو سجدہ ایک فعل ہے جس کی کیفیت یہ ہے کہ ہفت اندام زمین پر ٹک جاویں۔ خصوصاً ماتھا کا رکھنا زیادہ ضروری اور لازم ہے اور یہ سجدہ اُمم سابقہ میں غیر اللہ کو جائز بلکہ واجب و مامور بہ تھا جیسے ملائکہ کا سجدہ آدم علیہ السلام کو۔ یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں کا سجدہ یوسف علیہ السلام کو۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ یہ سجدہ عبادت نہیں تھا کیونکہ عبادت غیر اللہ کی شرک ہے اور شرک سب ادیان میں حرام و ممنوع ہے تو ثابت ہوا کہ یہ سجدہ تعظیم تھا۔ اس لئے کہ سجدہ کرنے والوں کی یہ نیت نہیں تھی کہ یہ مسجودُ ہمارا رب ہے بلکہ یہ تھی کہ اس کو دینی عظمت حاصل ہے اگر کسی ساجد کی یہ نیت ہو کہ یہ میرا رب ہے تو سجدہ عبادت کا ہو جاتا ہے۔ صرف نیت سے سجدہ کی صفت بدل جاتی ہے اور حکم بھی بدل جاتا ہے کہ سجدہ عبادت ہر وقت ہر مذہب میں ناجائز، حرام، شرک ہے اور سجدہ تعظیم ادیان سابقہ میں جائز تھا۔ شرع محمدی علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام میں ممنوع ہے لیکن اس اُمت محمدیہ میں اگر کوئی شخص کسی قابلِ تعظیم ہستی کو سجدہ تعظیم کرے، تو گنہگار ہوگا۔ کافر مشرک نہ ہوگا۔ اب متبعین خوارج کی کمال جسارت و شوخ چشمی ملاحظہ ہو کہ کسی ولی اللہ کے ہاتھ پاؤں اور کسی بزرگ کی قبر کو بوسہ دینے والے پر شرک کا فتویٰ جاری کر دیتے ہیں۔ حالانکہ بوسہ اور سجدہ کی کیفیت میں فرق ظاہر ہے۔ علاوہ اس کے سلف صالح نے بوسہ قبر

کے جواز پر تصریح کی ہے علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ شرح صحیح بخاری
میں باب ماذکر فی الحجر الاسود میں وہ حدیث جو امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کے حج پر تشریف لانے اور حجر اسود کے بوسہ کے متعلق ہے اس کی شرح
کر کے آگے فرماتے ہیں کہ کہا ہمارے شیخ زین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کہ متبرک
مقامات کا بوسہ دینا تبرک کے ارادہ پر بہت اچھا فعل ہے باعتبار ارادہ
اور قصد کے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کو عرض کیا کہ وہ اپنی ناف جس پر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے بوسہ دیا ظاہر فرمادیں۔ امام حسنؓ نے اپنا کپڑا اٹھایا۔ ابو ہریرہؓ نے وہاں
بوسہ دیا اور ثابت بنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
ہاتھ مبارک کو بغیر بوسہ دینے کے نہیں چھوڑتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ وہ ہاتھ ہے
جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک سے مس ہوا ہے اور شیخ
زین الدین نے کہا کہ مجھے حافظ ابو سعید ابن العلائیؒ نے خبر دی ہے کہ میں نے
امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کلام میں دیکھا ہے کہ ان سے حضرت
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے بوسہ کے متعلق پوچھا گیا۔ امام
نے فرمایا کہ جائز ہے۔ علامہ محب طبری فرماتے ہیں کہ حجر اسود کے بوسہ کے جواز
اور ارکان کعبہ کے بوسہ کے جواز سے یہ مسئلہ نکالا جا سکتا ہے کہ جس چیز
کے بوسہ میں مقصود اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہو اس کا بوسہ دینا جائز ہے کیونکہ
اگرچہ اس کے کرنے پر کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی لیکن اس کے منع پر اور
کراہت پر بھی کوئی حدیث وارد نہیں ہے اور امام ابو عبداللہ محمد ابن حنیف

فرماتے ہیں کہ بعض علماء کو میں نے دیکھا کہ جب قرآن شریف کو دیکھتے تھے بوسہ دیتے تھے، حدیث شریف کی کتاب کو دیکھتے تھے بوسہ دیتے تھے۔ نیک بندگانِ خدا کی قبور کو دیکھتے تھے بوسہ دیتے تھے۔ اس بوسہ سے مقصود اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے۔ یہ سب عینی کی عبارت ہے۔ یہ ہیں اقوال سلف صالح کے۔ تو ان متبعینِ خوارج کے عقیدہ کے مطابق یہ سب سلفِ صالح کرنے والے اور جائز سمجھنے والے مشرک ہوئے نعوذ باللہ من ہٰذہ الھفوات۔ اب ان دشمنان اولیاء اللہ کا ایک مسئلہ ضروری ذکر کرنا ہے۔ چونکہ ان کا اصلی مقصد مخلوقات کو صراط مستقیم اولیاء اللہ کے راستہ سے ہٹانا ہے اس لئے یہ تقریر کرتے ہیں کہ مان لیا کہ اولیاء اللہ نیک بندے، اللہ کے مقرب بندے سب کچھ تھے۔ لیکن ان کے مزارات پر جانے سے جانے والے کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ ان کے اعمالِ صالحہ کا فائدہ انہیں کو ہے۔ دوسرے کو اس سے کیا فائدہ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی یعنی نہیں ہے انسان کے لئے مگر وہ جو اس نے خود کمایا۔ اب اس بزرگ کی کمائی سے زائر کو کیا حصہ مل سکتا ہے یا اس زائر کے ایصال ثواب سے صاحبِ مزار کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے لہٰذا مزارات اولیاء اللہ پر جانا بے سود ہے۔ جاننا چاہئے کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اموات کے لئے جس طرح ایصال ثواب کیا جاوے ان کو اس سے نفع ہوتا ہے اور فرقہ معتزلہ جن کو بارگاہ رسالت سے مجوس ہٰذہ الامۃ کا خطاب ملا ہوا ہے۔ اس کے منکر ہیں اور وہ اس آیۃ کریمہ کو اپنے دلائل میں ذکر کر کے نفی ایصال ثواب

سند لاتے ہیں لیکن یہ آیت کریمہ ان کے مدعائے باطل کی ہرگز دلیل نہیں ہو سکتی اور نہ اس آیت کریمہ کا یہ مفاد ہے کہ انسان کو آباؤ اجداد کی صلاح سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔ یا اموات کو زندوں کے ایصالِ ثواب سے کوئی نفع نہیں پہنچتا۔ کیونکہ اگر آیت کریمہ کا یہ مفاد ہو تو آیات قرآنیہ میں تعارض پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝ یعنی وہ لوگ جو ایمان کامل لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی متابعت کی راہ اختیار کی ہم ان کی اولاد کو ان سے ملا دیں گے یعنی آباء والے درجات سے ان کی اولاد کو بھی فائز کر دیں گے اور ان مومنین کاملین کے عمل سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے یعنی یہ صورت نہیں کہ ان کے آباء کے ثواب سے کوئی چیز کم کر کے ان کی اولاد کو عطا کر دیں گے بلکہ ان کو پورا ثواب ملے گا اور اتنا ہی ثواب ان کی اولاد کو عطا کیا جاوے گا۔ ہر مرد اپنے کسب کے ساتھ ثابت ہے۔ یعنی مرد کا عمل اس سے جدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جاتی بلکہ محض تفضلاً وہی ثواب اور درجات ان کی اولاد مومنین کو عطا کر دیئے جاتے ہیں ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ دوسری آیت وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا (ترجمہ) بہرحال دیوار دو یتیم بچوں کی تھی اس شہر میں اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک بندہ تھا یعنی وہ دیوار جس کو خضر علیہ السلام نے گرنے سے بچایا اور اس کو درست کر دیا تھا اس کی حکمت خضر

علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ بیان کی کہ یہ دیوار دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ رکھا ہوا تھا اور ان کا باپ مرد صالح تھا تو اللہ تعالیٰ کی مراد یہ تھی کہ دیوار گرنے سے محفوظ رہے تاکہ ان یتیموں کا خزانہ ضائع نہ ہو جاوے تو ان آیاتِ شریفہ کا صراحتہً مفاد یہ ہے کہ دُنیا و آخرت میں آباء کی صلاح سے اولاد منتفع ہوتی ہے پہلی آیت شریفہ میں نفع آخرت ہے اور دوسری میں نفع دینا ہے اور آیت کریمہ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّھِمْ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ۔ (ترجمہ) اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور زمین والوں کے لئے اللہ جل شانہ سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ اس آیتِ کریمہ کا مفاد یہ ہے کہ ملائکہ کی استغفار سے اہل زمین کو نفع پہنچتا ہے اور یہ نفع بغیر ان کی کمائی اور عمل کے ہے اور فرماتا ہے :۔ وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ (ترجمہ) وہ لوگ جو مہاجرین و انصار کے بعد آئے یہ دُعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں تو اگر ان کی دُعائے مغفرت سے ان کو نفع نہ پہنچتا تو مقام مدح میں اللہ تعالیٰ ان کا یہ قول ذکر نہ فرماتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان آیاتِ قرآنیہ کا صراحتہً مفاد یہ ہے کہ انسان کو دوسرے کے عمل سے نفع پہنچتا ہے اب اس آیتِ کریمہ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کا مفاد جس طرح کہ مفسرین محققین نے اس کو بیان کیا ہے یہ ہے کہ چونکہ صلاح آباء سے اولاد کو نفع یا طلب مغفرت احیا سے اموات کو نفع مشروط بالایمان ہے یعنی مومن کو صلاح آباء سے بھی نفع پہنچتا ہے اور ایصال ثواب طلب مغفرت سے بھی نفع پہنچتا ہے۔ کافر کو ان چیزوں سے

کوئی نفع نہیں ہے۔ تو مدار اس نفع کا ایمان ہے جو کہ اس کا اپنا عمل ہے۔ اس لئے رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان کو بغیر اپنے کسب وسعی کے کوئی چیز نفع نہیں دیتی تو وہ مسلمان جس نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحیح ایمان لایا۔ یہ ایمان اس کا عمل ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے اور غیر کے اعمال سے نفع اٹھا سکتا ہے۔ اور کافر جو کہ اس عمل سے محروم ہے۔ اس کو نہ اپنے اعمال سے کوئی فائدہ نہ غیر کے اعمال سے کوئی فائدہ نہ غیر کے اعمال سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس نے جب ایمان کو جو سب اعمال کا اصل ہے، ترک کر دیا تو اس نے کچھ بھی نہ کمایا۔ اس کی سب سعی ضائع و باطل ہے۔ جیسا کہ رب تعالیٰ کفار کے حق میں فرماتا ہے۔ وَقَدِمْنَا اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ہ یعنی قیامت کے دن ہم ان کفار کے اعمال خیر کی طرف ارادہ کریں گے۔ ایسا کر دیں گے جیسے وہ غبار جو کہ مکان کے اندر شعاع دھوپ سے نظر آتی ہے۔ درحقیقت کوئی چیز نہیں ہوتی۔

علاوہ اس کے اولیاء اللہ کی خدمت میں حاضر ہونا یا ان کے مزارات مقدسہ پر حاضر ہونے کا یہ ظاہر فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ یعنی یہ وہ قوم ہے کہ ان کا ہم نشین ہم صحبت بدبخت نہیں ہو سکتا یعنی اللہ تعالیٰ جب نظر رحمت اس قوم پر بہ سبب ان کے اعمال صالحہ کے فرماتا ہے تو جو شخص ان کی صحبت میں ہوتا ہے وہ بھی اس رحمت سے فیضیاب ہو جاتا ہے۔

وَمَا تَوْفِيْقِىْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ لِلْحَقِّ وَهُوَ يَهْدِىْٓ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيْلِ ط

تسبیحات و تقدیسات
یعنی
تنزیہات

خداوند ذوالجلال کے لئے جس طرح یہ ضروری ہے۔ کہ تمام صفات کمال کے ساتھ موصوف ہو اور اسی طرح اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے۔ کہ وہ تمام عیوب اور نقائص سے پاک اور منزہ ہو۔ خدائی کے ساتھ کسی عیب اور نقصان کا جمع ہونا ناممکن اور محال ہے۔ انسان قاصر اللسان اپنے خیال کے مطابق خدا تعالیٰ کی کتنی ہی ثنا اور ستائش کیوں نہ کرے مگر پھر بھی مرتبہ خیالات اور اوہام خداوند ذوالجلال کی عظمت اور جلال کو جسمانی قالب میں ڈھال لیتے ہیں اور اس کیلئے جسمانی اور امکانی صفات اور خصوصیات ثابت کرنے لگتے ہیں اس لئے قرآن کریم نے جابجا خداوند ذوالجلال کی تسبیح و تقدیس نزاہت اور لطافت کو خاص انداز سے بیان کیا تاکہ محض لفظی اور اسمی اشتراک سے (مثلاً جیسے کہتے ہیں کہ خدا سنتا ہے۔ اور دیکھتا ہے۔ اور بندہ کو بھی کہتے ہیں کہ سنتا اور دیکھتا ہے۔ حالانکہ بندہ کے دیکھنے اور سننے سے کوئی نسبت نہیں) خدا اور بندہ کے درمیان میں کسی قسم کی مماثلت اور مشابہت کا شبہ نہ ہو اور خوب سمجھ لیں۔ کہ وہ خداوند کردگار بے مثل اور بے چون و چگون ہے زمان اور مکان کیف اور این سب سے بالا اور برتر ہے۔ طائر عقل کی وہاں رسائی نہیں کیونکہ زمان اور مکان کیف اور این عقل اور ادراک سب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں بھلا واجب اور ممکن۔ قدیم اور حادث باقی اور فانی میں کیسے

مماثلت ممکن ہے اور جب قدیم اور حادث حقیقت اور ذات کے اعتبار سے مختلف اور متباین ہیں تو صفات اور افعال ہیں کیسے ایک دوسرے کے مشابہ اور مماثل ہو سکتے ہیں۔

قال تعالیٰ لیس کمثلہ شئ	کوئی چیز اس کے مثل نہیں
ولم یکن لہ کفواً احد	کوئی خدا کا ہمسر نہیں
ھل تعلم لہ سمیا	کیا تم کسی کو خدا کے ہم پلہ پاتے ہو
ولہ المثل الاعلیٰ	اُس کی شان تو بہت ہی
افمن یخلق کمن لایخلق	کیا خالق اور غیر خالق میں سی قسم کی مشابہت ممکن ہے۔
اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم ولا یؤدہ حفظھما وھو العلی العظیم لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر۔	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اُس حیی قیوم کو نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند نگاہیں اُس کا ادراک نہیں کر سکتیں بلکہ وہی نگاہوں کا ادراک کرتا ہے اور وہ لطیف اور خبیر ہے اس لئے وہی ایسی لطیف یعنی غیر مادی اور غیر محسوس چیزوں کا ادراک کرتا ہے۔
وروی الحکیم الترمذی مرفوعا ان اللہ احتجب عن العقول کما احتجب عن الابصار	حکیم ترمذی نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جسطرح نگاہوں سے محجوب اور مستور ہے اسی طرح عقلوں سے بھی محجوب اور مستور ہے۔

ہرچہ اندیشی پذیرائے فناست / وآنکہ در اندیشہ نایدآں خداست

آں مگو چوں در اشارت نایدت / دم مزن چوں در عبادت نایدت

نہ اشارت می پذیرد نہ عیاں / نہ کسے زو علم دارد نہ نشان

از صفاتش راچناں داں اے پسر / کز وے اندر وہم ناید جز اثر

ظاہر است آثار و نور رحمتش / لیک کے داند جز او ماہیتش

ہیچ ماہیات اوصاف کمال / کس نداند جز بہ آثار ومثال

حق جل وعلا کی حقیقت تو درکنار انسان اپنی ہی حقیقت معلوم کرنے سے قاصر ہے حکماء نے بہت کچھ عقل کو دوڑایا مگر آج تک رُوح اور عقل اور قوت دراکہ کی حقیقت نہ معلوم کرسکے صرف چند خواص اور آثار معلوم کرسکے۔

عقل اور رُوح تو بڑی چیز ہے لیکن وہ مادہ جس کے وہ پرستار بنے ہوئے ہیں اسی کی حقیقت نہ معلوم کرسکے بلکہ آج تک اسکے وجود کو بھی ثابت نہ کرسکے۔

پس جب اِنسان باوجود ہروقت کے مشاہدہ کے اپنی حقیقت پر مطلع نہ ہوسکا تو اُس وراء الوراء ثم وراء الوراء کی حقیقت پر کیسے مطلع ہوسکتا ہے۔

اسی وجہ سے علامہ احمد بن مسکویہ فرماتے ہیں کہ حق سُبحانہ وتعالےٰ کی معرفت ایجابی اور اثباتی طریقہ سے ناممکن ہے۔ ایجابی اور اثباتی طریقہ سے معرفت کی صورت یہ ہے کہ اُس شئے کی حقیقت یا صفت بیان کردی جائے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ کی حقیقت اور کُنہ تو کون بتلاسکتا

ہے۔ رہی صفات تو یہ انسان ضعیف البیان قاصر اللسان کہاں خداوند عالم کے اوصاف اور محامد بیان کرسکتا ہے البتہ جو صفات ممکنات۔ ممکنات اور مخلوقات میں صفات کمال سمجھی جاتی ہیں۔ انہیں کو اپنی لبساط اور مقدور کے موافق خداوند عالم کے لئے ثابت کرے گا۔ اور ظاہر ہے کہ وہ ذات مقدس ان صفات سے کہیں اعلیٰ اور اشرف ہے۔ کما قال تعالیٰ سُبحانہ وتعالیٰ عمّا یصفون

اس لئے کہ بندوں میں جو صفات کمال ہیں وہ سب اُسی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اور یہ سب کے نزدیک مسلم ہیں۔ کہ خالق اور مخلوق میں مشابہت اور مماثلت ناممکن ہے لہٰذا اُس خداوند قدوس کی صحیح معرفت کا طریقہ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ "وہ بے مثل اور بے چون وچگون ہے۔ کما قال تعالیٰ لیس کمثلہ شئی کوئی شئی اِس کے مانند نہیں

خدا کے جاننے کا سب سے بہتر طریق یہی سلبی طریق ہے ایجابی اور اثباتی طریق میں اندیشہ ہے کہ تنزیہ کا حق ادا نہ ہو واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ کذا فی الفوز الاصغر صـ۲۶ فصل ثامن اور اگر بالفرض خدا کے لئے بے مثل ہونا ضروری نہ ہو بلکہ خالق کا مخلوق کے مشابہ اور مماثل ہونا ممکن ہو تو پھر معاذ اللہ خداوند ذوالجلال پر تغیر اور تبدیل فنا اور زوال تمام جسمانی اور امکانی عوارض کا طاری ہونا ممکن ہوگا کیونکہ وہ مماثل اور مشابہ چیزیں حکم میں بھی مماثل اور مشابہ ہوتی ہیں علاوہ ازیں مماثلت وہاں ممکن ہے کہ جہاں کسی قسم کی شرکت ممکن ہو اور ظاہر ہے کہ مخلوق خالق

کے ساتھ کسی چیز میں شریک نہیں لہذا مماثلت بھی ناممکن ہو گی اور جب ثابت ہو گیا کہ خالق مخلوق کے مشابہ نہیں ہو سکتا تو ثابت ہو گیا کہ خالق مخلوقات کی تمام خصوصیات سے مبرا اور منزہ ہو گا۔ ان تقدیسات اور تنزیہات کے مضمون کو پڑھ کر یہ بات واضح اور الم نشرح لک ہو گئی کہ ان لوگوں سے بچنا چاہیئے جو کہ نعوذ باللہ کہتے ہیں کہ اللہ قادر ہے اس بات پر کہ اپنا بچہ پیدا کرے اور اگر قادر نہ مانا جاوے تو عجز باری تعالےٰ لازم آوے حالانکہ اِس نادان کو یہ خیال نہ آیا ، عجز تب لازم آتا کہ قدرت میں قصور ہوتا۔ یہاں تو مقدور میں صلاحیت قبول نہیں ہے تو پھر قدرت اُس کے ساتھ کس طرح متعلق ہو آفتاب کے نور کا اثر اگر توا قبول نہ کرے تو آفتاب میں کیا قصور اس کے خلاف شیشہ میں آفتاب کے اثر قبول کرنے کی صلاحیت ہے۔ اِسی لئے آفتاب کی جھلک سے شیشہ فوراً چمکنے لگتا ہے۔ دیکھو کتاب المعتقد المنتقد۔ مکتبہ الیشیق بشارع دار الشفقۃ بفاتح ۷۲ استانبول۔ ترکیہ مصدقہ مولوی فضل رسول القادری۔ البدایونی۔ ص ۲۶ فنقل عن ابن حزم انہ قال فی الملل والنحل انہ تعالیٰ قادر ان یتخذ ولدا ولو لم یقدر لکان عاجزا ترجمہ:۔ نقل کیا گیا ہے۔ ابن حزم سے اُس نے کہا ہے اپنی کتاب الملل و النحل میں اللہ قادر ہے اس بات پر کہ اپنا بچہ بنائے اور اگر قادر نہ ہو تو اللہ عاجز ہو جاوے گا۔ اِس کا جواب پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

، ہیجول قسم مسئلہ امکان کذب ہے۔ اللہ تعالےٰ جھوٹ سے پاک ہے۔

اور یہ لوگ مسئلہ خلف وعید کو امکان کذب سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ مسئلہ خلف وعید خلاف مسلک محققین ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب نبراس صفحہ ۳۳۶ والمحققون علی خلافہ اور اسی طرح مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی نے اپنی کتاب بوادر النوادر صفحہ ۲۱ میں لکھا ہے۔ چونکہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس کے ساتھ کلمہ تعلق ارادہ کا نہ ہوگا اسی لئے ابداً ابداً اُس میں احتمال وقوع کا نہیں اور امکان بمعنی احتمال کا قائل ہونا کفر ہے۔ اور یہی معنی ہیں امکان کے جس نے عوام کو وحشت میں ڈالا ہے۔ چونکہ لفظ امکان عوام کے اعتبار سے موہم ہے اور موہم سے بچنا ضروری ہے۔ لقولہ تعالیٰ لا تقولوا راعنا الآیہ تو یہ ایک فقہی مسئلہ ہو جائیگا جو قابل تسلیم و عمل ہے لیکن اس کو مسئلہ کلامیہ میں کوئی دخل نہیں ہے۔

سچا موحد بنائے اور گمراہ فرقوں سے بچاوے آمین ثم آمین

سپر آرٹ پریس کمرا